بسم اللہ الرحمٰن

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

سیرۃ الصدیق

مصنفہ

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی
حبیب گنج ضلع علی گڈھ

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علیگڈھ میں طبع ہوئی ۱۳۲۲ھ

اور وہیں سے شائع ہوئی

(کتبہ محمد اوصاف علی کولوی)

فہرست مضامین سیرۃ الصدیق

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
٦٧	جیش اسامہ ۱۱ھ	۱۹
[illegible]	مسیلمہ کذاب - معرکہ یمامہ	۲۰
۷۵	فتح عراق	۲۱
۸۰	حج	۲۲
۸۰	شام ۱۳ھ	۲۳
۹۱	مرض الموت - وفات	۲۴
۹۴	ذاتی حالات	۲۵
۹۵	اصول حکومت	۲۶
۱۰۱	عمال و کاتب	۲۷
۱۰۲	علمی کمالات و علمی خدمات	۲۸
۱۰۳	حدیث	۲۹
۱۰۴	فقہ	۳۰
۱۰۴	تعبیر رویا	۳۱
۱۰۵	تصوف	۳۲
۱۰۶	عقائد	۳۳
۱۰۶	علم الانساب	۳۴
۱۰۷	بلاغت خطب	۳۵
۱۰۷	محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶
۱۰۸	ازواج و اولاد	۳۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم والہ واصحابہ اللذین قاموا واقاموا علی الصراط المستقیم ۔ عرصہ ہوا کہ میرے مکرم دوست ضیاء الدین احمد صاحب نے فرمایش کی تھی کہ میں قرون[1] اولی کے کسی بزرگ کے حالات طلبا مدرستہ العلوم کے سامنے بیان کروں ۔ مینے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو انتخاب کیا جو باتفاق اہل سنت وجماعۃ افضل امت ہیں اور جنکی برگزیدہ زندگی میں دین و دنیا دونوں کی رہبری کے اعلیٰ اوصاف جمع تھے ۔ اسی کے ساتھ اُنکے حالات و واقعات بہت کم اہل دین کے پیش نظر ہیں آجکل اہل اسلام جس افراط و تفریط میں مبتلا ہیں اُسکا ایک موثر اور عمدہ علاج یہ ہی کہ قرون اولی کے بزرگوں کے واقعات کثرت سے شایع کیے جاویں تاکہ مسلمان اُنکو پڑہیں اور سبق حاصل کریں اوس دور کے مسلمان خالص اسلامی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ تھے ۔ اُن کی زندگی اُن تمام بیرونی اثروں سے پاک صاف تھی جو بعد کو

[1] قرونِ اولی ۔ ابتداء اسلام کا زمانہ

مسلمانوں کی زندگی پر مؤثر ہوتے گئے اور جنھوں نے انکو رفتہ رفتہ صراط مستقیم سے دور کر دیا۔ اسی دوری کا نتیجہ وہ تباہی اور بربادی ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قرون اولیٰ کے مسلمان بہترین مظہر اسلام تھے اور اُنکا اقتدا و پیروی ہر مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کو زندگی کی کشمکش میں ایک کامل رہبر و ہادی کا کام دے سکتی ہے۔ اسی یقین و عقیدہ سے مینے یہ رسالہ لکھا ہے خداوند تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کو نفع بخشے۔

اس رسالہ کی تحریر سے پہلے عرصہ تک مینے کتابوں کا مطالعہ کیا حالات انتخاب کیے یہی وجہ ہے کہ فرمایش کی تعمیل میں اسقدر تاخیر ہوئی۔ لیکن تاخیر سے جہاں انتظار کی زحمت ہوئی وہاں یہ نفع بھی ہوا کہ بعض نایاب کتابیں طبع ہو کر آگئیں مثلاً طبقات ابن سعد۔ نہایت معتمد و معتبر کتابوں سے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے ——

جامع صحیح امام بخاری۔ سیرۃ ابن ہشام۔ طبقات ابن سعد۔ معارف ابن قتیبہ مروج الذہب[5] مسعودی۔ تاریخ الملوک والامم[6] امام ابن جریر طبری۔ کامل ابن اثیر۔ نزہۃ الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیار امام وجیہ الدین عمر۔ الاستیعاب[9] فی معرفۃ الاصحاب ابن عبد البر۔ الاصابۃ[10] فی تمییز الصحابۃ ابن حجر عسقلانی۔ تاریخ الخلفاء[11] سیوطی۔ ازالۃ الخفاء[12] فی خلافۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔ جستہ جستہ باتیں فتوح البلدان بلاذری اور العقد الفرید ابن عبد ربہ اور خلاصۃ الوفا اور الریاض النضرہ محب الدین طبری سے بھی ماخوذ ہیں جغرافیہ کے متعلق معجم البلدان یاقوت حموی اور فتح الباری سے مدد لی گئی ہے۔ مینے کوشش کی ہے کہ واقعات صاف اور سیدھی عبارت میں بیان کر دیے جائیں اور اس سادہ بیانی کو حتی الامکان ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے جو قدما مورخین کی روش تھی۔ عبارت آرائی

۵ یہ ایک نایاب قلمی نسخہ ہے جو میرے کتبخانہ میں ہے۔

سے قصداً احتراز کیا گیا ہے۔ اگر اس رسالہ کی عبارت روکھی پھیکی معلوم ہو تو قابل چشم پوشی ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہِ۔

محمد حبیب الرحمن خاں
حبیب گنج ضلع علیگڈھ
۱۴ رجب المرجب سنہ ۱۳۳۱ھ
یوم جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

نام نسب - لقب - والدین

نام جاہلیت میں عبد الکعبہ نام تھا بعد اسلام حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ تجویز فرمایا۔ صدیق و عتیق دونو لقب ہیں ابوبکر[۱] کنیت - سب سے زیادہ شہرت کنیت نے حاصل کی۔ نسباً قریشی تیمی ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے عبد اللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔ چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر پہنچکر انکا نسب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے ملجاتا ہے۔ حضرت ابوبکر کے والد کا نام عثمان کنیت ابوقحافہ تھی سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نوّے برس کی عمر میں اسلام لائے سنہ ۱۴ھ میں بعہد خلافت فاروقی وفات پائی۔ والدہ کا نام سلمی کنیت ام الخیر تھی۔ قریشی تیمی ہیں۔ اسلام سے مشرف ہوئیں۔

---

۱ بکر آپ کی اولاد میں کسی کا نام نہ تھا۔

ولادت ایام جاہلیت	حضرت ابوبکرؓ عام فیل کے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے یعنی آغاز سنہ ہجری سے پچاس برس چھ مہینے پہلے۔ ایامِ جاہلیتؑ میں بھی قریش کے رؤسا میں سے

تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ صحابہؓ کرام میں دس آدمی ایسے تھے جو ایام جاہلیت و عہد اسلام دونوں میں رئیس و سربرآوردہ مانے گئے منجملہ انکے ایک حضرت صدیق بھی ہیں۔ قیام مکہ میں رہتا تھا تجارت ذریعہ معاش و دولتمندی تھی۔ سلسلہ تجارت میں شام اور یمن کے متعدد سفر کیے تھے۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا۔ حسن اخلاق ہمدردی۔ وسعت معلومات دانشمندی اور معاملہ فہمی وہ اوصاف ہیں جنمیں حضرت صدیق قبل اسلام بھی ممتاز تھے انہی صفات کی وجہ سے لوگ انکے گرویدہ تھے اہم معاملات میں مشورہ لیتے اور اُن کی رائے پر اعتماد کرتے۔ قبیلہ قریش کی تاریخ۔ اس کی مختلف شاخوں اور خاندانوں کی قرابت و نسب کا جاننے والا انکے عہد میں ان سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ قبائل عرب صدیوں سے آزاد تھے اور اُنپر کوئی بادشاہ حکمراں نہ تھا۔ قبیلوں کے سردار ہی معاملات کو طے کرتے تھے اور حکومت کے فرائض اور مختلف خدمتیں مختلف سرداروں کے سپرد ہوتی تھیں۔ قبیلہ قریش کی خدمت اِشناقؔ حضرت صدیق اکبر

لہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چالیس برس پہلے حبش کے بادشاہ نے کہ پر حملہ کیا تھا چونکہ ہاتھی اسکے ساتھ تھے اس لیے اس سال کا نام عام فیل اور حملہ کرنیوالوں کا نام اصحاب فیل مشہور ہوا۔
ؔ ایام جاہلیت۔ عرب کا وہ زمانہ جو ظہور اسلام کے قبل تھا۔ ؔ جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کی زیارت کے مشرف ہوئے وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ صحابہ جمع کا صیغہ ہے۔
ؔ اس خدمت کا تعلق دیت اور خونبہا سے تھا۔ جب کوئی کسی کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل سے جو مالی بدلا لیا جاتا تھا اُس کو دیت کہتے تھے۔ اُس بدامنی و خونریزی کے زمانے میں ظاہر ہے کہ یہ صیغہ کسقدر اہم اور ذمہ داری کا تھا۔ ۱۲

کے متعلق تھی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی خون ہوجاتا تو اگر صدیق اکبر خونبہا کی ضمانت کردیتے تو مقبول ہوتی دوسرے کی ضمانت قبول نہ کی جاتی۔ شعر کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی اسلام لائے تو شعر کہنا چھوڑ دیا اور پھر کبھی نہیں کہا۔ شراب زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں پی۔

اسلام | نزول وحی سے ایک سال پہلے سے حضرت ابوبکر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے آغاز وحی کے زمانہ میں بسلسلہ تجارت یمن گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو قریش کے سردار ابوجہل۔ عتبہ، شیبہ وغیرہ ملنے گئے اثنار گفتگو میں حضرت ابوبکر نے تازہ خبر دریافت کی تو کہا سب سے بڑی خبر اور بڑی بات یہ ہی کہ ابوطالب کا یتیم بچہ مدعی نبوت بنا ہے اسکے انسداد کے متعلق ہم تمہارے آنے کے منتظر تھے یہ سنکر حضرت صدیق کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور اعیان قریش کو خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر کے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی جلسہ میں قبول اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مینے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اس میں ایک قسم کی جھجک اور تردد و فکر ضرور پائی مگر ابوبکر کہ جسوقت مینے اُنکے سامنے اسلام پیش کیا اُنھوں نے بے جھجک قبول کر لیا۔ اس میں اختلاف ہی کہ اول اسلام کون لایا بعض نے کہا ہی حضرت علی مرتضیٰ۔ بعض کا قول ہی حضرت ابوبکر۔ قول فیصل یہ ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر۔ لڑکوں میں حضرت علی بیبیوں میں حضرت خدیجہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ سب سے اول اسلام لائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وحی نازل ہونے کے ساتویں روز دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اُنسے پہلے

حضرت ابوبکر اور حضرت علی دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے۔ ایمان لانے کے بعد صدیق اکبر نے اپنی تمام قوت و قابلیت۔ سارا اثر کل مال و متاع جان اور اولاد غرض جو کچھ اُنکے پاس تھا وہ سب اللہ اور اُس کے رسول کی رضا جوئی و اطاعت میں وقف کر دیا۔ اور قبول اسلام کے بعد اُن کی تمام زندگی اطاعت و استقامت کی داستان ہے۔ قریش میں اُنکا جو اثر تھا اُس کو تم سُن چکے ہو اُس اثر کا جلوہ تھا کہ گروہ سابقون اولون[1] کے ممتاز فرد مثلاً حضرت عثمان۔ حضرت زبیر۔ حضرت طلحہ۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص اُنکے ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے فیضیاب ہوئے مال اُن غریبوں کی مدد میں صرف کیا جو اسلام لا کر سنگدل آقاؤں کی سختی کا نشانہ بن رہے تھے اُن میں سے بہت سوں کو حضرت ابوبکر نے خرید خرید کر آزاد کر دیا منجملہ اُنکے حضرت بلال بھی تھے۔ اُنکی داستان کیسی دردانگیز ہے۔ حضرت بلال کا آقا اُنکے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بہت ناراض تھا۔ جوش غضب میں وہ عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا تا سینے پر بھاری سا پتھر رکھ دیتا اور کہتا جب تک لات اور عزّیٰ[2] پر ایمان نہیں لائیگا اسی عذاب و مصیبت میں مبتلا رکھونگا مگر پتھر کے نیچے سے آواز آتی احداً احداً میرا معبود وحدہٗ لاشریک ہے وحدہٗ لاشریک ایک روز حضرت ابوبکر نے یہ حالت دیکھی تو رحم آیا اور خرید کر آزاد کر دیا۔

ابتداء اسلام میں تین برس تک حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام خفیہ فرمائی تھی۔ اُس زمانہ میں حضرت ابوبکر بھی پوشیدہ خدمت اسلام کرتے تھے۔

---

[1] سابقون اولون وہ صحابہ کرام جو واقعہ بدر ۲ھ تک ایمان لائے۔

[2] لات اور عزّیٰ عرب کے دو مشہور بُت تھے۔

جب رسالت کی چوتھی سال یہ آیت نازل ہوئی ۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ   تمکو جو حکم دیا جاتا ہی اُسکو علانیہ بیان کرو اور مشرکوں کی طرف سے منھہ پھیر لو ۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ حق کا اعلان شروع کیا اور شرک وجہل کی مذمت علانیہ فرمانے لگے ۔ اس سے مشرکین عرب بھڑکے اُنکی بھڑک وحشی اور جنگجو عربوں کی بھڑک تھی کیا کچھہ نہ کر گذرے ۔ کوئی ایذا اور کوئی تکلیف نہ تھی جو خدا کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ پہنچائی گئی ۔ ان مصیبتوں میں صدیق اکبر کا بھی حصہ تہا ۔ ایک روز حرم کعبہ میں مشرکوں کا مجمع ہو اور یہ تذکرہ کر رہے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی مذمت اور توہین نئے نبی نے کیسی کی ہی ۔ ناگاہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کعبہ کے واسطے داخل حرم ہوئے آپکو دیکہکر مشرکوں کی آتش غضب بھڑکی اور ایک شخص نے بڑہکر کہا " اے شخص تو ہی ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہی ۔ ارشاد فرمایا بیشک ۔ یہ سنکر تمام مجمع آپسے لپٹ گیا ناہنجار مارتے تھے اور کہتے تھے :۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا   کیا تو سب خداؤں کو ایک خدا کریگا ۔

آخر آپ بیہوش ہوکر گر گئے ۔ کسی نے حضرت ابوبکر سے جا کہا ادرکے صاحبك اپنے رفیق کی خبر لو ۔ دوڑے ہوئے آئے اور مجمع کفار میں گھس گئے کسی کو مارتے کسی کو ہٹاتے اور کہتے جاتے :۔

وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ   تم پر افسوس ہی کیا ایک شخص کو تم اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہی اور حال یہ ہی کہ وہ خدا کی جانب سے روشن دلیلیں تمہارے پاس لایا ہی ۔

یہ مداخلت مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی اور سب کے سب اُن پر جھپٹ پڑے اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ عزیزوں نے آکر بچایا۔ یہ سُن لو کہ حضرت صدیقؓ پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ — اے عزت وجلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے۔

حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اس واردات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ گھر پہنچے ہیں تو یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال الگ ہو جاتے۔ واقعہ ہذا کے ساتھ ایک اور واقعہ سنو جس سے عزم رسالت کی شان کا اندازہ کر سکو اور عیاں ہو جائے کہ عین تلاطم شدائد کے وقت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک کس قدر مطمئن تھی اور آپ کو اپنے رب کے فضل پر کس قدر بھروسہ تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اُس وقت کعبہ کے سایہ میں رداے مبارک سر کے نیچے رکھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہماری مدد کے واسطے اللہ سے دعا نہیں کرتے۔ یہ سنکر آپ اُٹھکر بیٹھ گئے چہرہ مبارک غصے سے سُرخ ہو گیا۔ فرمایا[۱] اگلے لوگوں کا گوشت لوہے کے کنگھوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں سے الگ کیا گیا اسپر بھی وہ دین سے نہیں ہٹے اُنکے سر پر آرے چلائے گئے چیر کر بیچ میں سے دو کر دیے گئے تاہم دین پر قائم رہے اللہ اس دین کو ضرور کامیاب فرمائیگا اور نوبت یہ پہنچیگی کہ ایک سوار صنعاء[۲] سے حضرموت تک جائیگا اور سوائے اللہ کے کسی

---

[۱] مدعا یہ ہے کہ تم اتنی ہی تکلیفوں سے گھبرائے جاتے ہو [۲] صنعاء و حضرموت یمن میں واقع ہیں اُنکے درمیان فاصلہ ۲۱۶ میل کا

سے نہیں ڈریگا۔

جب کفار کی سختیوں کا تحمل مسلمانوں سے نہو سکا تو آپنے فرمایا کہ حبشہ کو ہجرت کرجاؤ وہاں کا عیسائی بادشاہ عادل ورحم دل ہی اُس کے زیر سایہ آدمیوں کو امن و آسایش کی نعمت حاصل ہوتی ہی۔ چنانچہ دو مرتبہ مسلمان ہجرت کرکے ملک حبش کو گئے۔ ایک دفعہ گیارہ مرد اور چار بیبیاں دوبارہ اسّی سے زیادہ مرد اور بیبیاں۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قیام فرما رہے۔ حضرت ابوبکر نے عرصہ دراز تک سختیوں کی برداشت کی اور دامن حضوری نہ چھوڑا۔ اگر خستہ وہ بھی مجبور ہو گئے اور گھر بار کو چھوڑ کر براہ یمن ملک حبش کی راہ لی۔ پانچ منزلیں طے کرکے برک الغماد نامی مقام پر پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اُسنے دیکھکر حیرت سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو۔ صدیق اکبر نے جواب دیا کہ مجھکو میری قوم نے نکال دیا اب پردیس میں پھر کر اپنے رب کی عبادت کرونگا۔ ابن الدغنہ نے کہا تم سا آدمی جو بیکسوں کا مددگار مصیبت زدوں کا ہمدرد۔ مہمان نواز۔ راہ حق کی مصیبتوں میں غمخوار ہو وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتا ہی اور نہ نکالا جا سکتا ہی میں تم کو پناہ دونگا مکہ کو لوٹ چلو اور وطن میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے شام کو ابن الدغنہ نے اشراف قریش کے مجمع میں جاکر کہا کہ تم ایسے شخص کو یہاں سے نکالتے ہو جو محتاجوں کا حامی مصیبت زدوں کا غمخوار اور راہِ حق کی مصیبتوں میں ہمدرد ہی۔ ابوبکر سے شخص کو نہ نکلنا چاہیئے اور نہ نکالنا۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا اور کہا کہ ابوبکر سے کہدو کہ اپنے رب کی عبادت

۱؎ یہ مقام یمن کی طرف مکہ سے پانچ منزل ہی۔

۲؎ قبیلہ قارہ قریش کے قبیلۂ بنی زہرہ کا حلیف تھا اُس کی تیراندازی ضرب المثل تھی۔

گھر کے اندر کریں۔ گھر میں بیٹھکر ہو چاہیں پڑھیں۔ علانیہ نہ عبادت کریں نہ تلاوت ورنہ ہمکو خوف ہے کہ ہماری مستورات اور ہمارے نوجوان مبتلائے فساد ہو جائینگے۔

عرصہ تک حضرت ابوبکر نے اسکی پابندی کی آخرکار شوق دل نے مجبور کیا اور گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد* بناکر نماز و تلاوت میں مصروف رہنے لگے۔ حضرت ابوبکر بید رقیق القلب تھے۔ تلاوت کلام مجید کے وقت زار زار روتے۔ یہ عالم دیکھکر قریش کی عورتوں اور نوجوانوں کا ہجوم ہو جاتا۔ اور محو حیرت ہوکر پروانہ وار ایک دوسرے پر گرتے۔ اشراف قریش یہ حالت دیکھکر گھبرائے۔ اور ابن الدغنہ کو بلاکر کہا۔ ابوبکر شرایط امن پر قائم نہیں رہے باہر مسجد میں بالاعلان نماز و قرآن پڑھتے ہیں ہمکو اپنی عورتوں اور نوجوانوں کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ انکو روکو ورنہ اپنی پناہ واپس لو۔ ہم تم سے بد عہدی نہیں کرنی چاہتے اس کے ساتھ ابوبکر کو علانیہ نماز و قرآن پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دیسکتے۔ ابن الدغنہ نے آکر حضرت ابوبکر سے یہ ماجرا کہا تو انھوں نے جواب دیا۔

اَرُدُّ اِلَیْكَ جِوَارَكَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللہِ تمہاری پناہ تمکو مبارک ہیں اپنے اللہ کی پناہ سے خوش ہوں

یہ واقعہ تیرہویں سال نبوت کا ہے۔

ہجرت | نزول وحی کے بعد تیرہ برس تک حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا صبر و تحمل اور عزم و استقلال کی جو شان ان تیرہ برس میں ذات اقدس سے عیاں ہوئی وہ قیامت تک نوع انسانی کے واسطے شمع ہدایت کا کام دیگی خیال کرو ایک ذات ظاہری اسباب حفاظت و مدافعت قطعاً معدوم۔ خالق کا پیام مخلوق کو پہنچانے کی گراں بار ذمہ داری دوش مبارک پر۔ عرب سی سرکش جنگجو اور کینہ پرور قوم سے

---

* یہ اسلام میں پہلی مسجد تھی۔

شرک و بت پرستی پشتوں کے اخلاقی جرائم اور بدکاریاں (جنکا سرچشمہ جہالت سفاکی و خود سری تھی) چھڑانے اور تصفیہ و تزکیہ کے بعد اُنکی دلوں کو نورِ عرفان اور پاکیزگی اخلاق سے معمور کردینے کی خدمت سپرد اُس پر کفار عرب کی اُن اذیتوں اور تکلیفوں کا تحمل جنکا ایک شمہ اوپر بیان ہوا۔ پھر خدارا انصاف کرو کہ کیا یہ سب کچھ بدون صداقت اور حق کی قوت کے ہو اگر ہوا تو پھر دنیا میں حق یا صداقت کوئی قوت نہیں۔ جھوٹ اور دغا سے بھی سب کچھ ہو سکتا ہی۔

خلاصہ یہ کہ مبعوث ہونیکے بعد تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت خفیہ فرمائی اسی زمانے میں اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر حضرت علی حضرت عثمان بن عفان عبدالرحمن بن عوف ایمان لائے۔ اسکے بعد اعلان تبلیغ کا حکم ہوا۔ تو آپنے اعلان حق اس قوت و عزیمت کے ساتھ فرمایا کہ عرب کی پہاڑیاں اُسکی صدا سے گونج اُٹھیں اور آج تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی باوجود ہزاروں انقلابوں کے دنیا کے تمام بر اعظموں میں وہ صدا گونج رہی ہے۔ اور کروڑوں نفوس انسانی کے دل اُسکی طرف لگ رہے ہیں۔

جب اہل مکہ کی طرف سے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہوگئے تو آپنے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جو میلے نواح مکہ میں ہوتے اُنمیں تشریف لیجاکر احکام الٰہی سناتے مدت تک یہ مجمعے بھی فیضیاب نہوئے۔ آخر ایک مرتبہ آپ مدینہ والوں کی جماعت میں تشریف لیگئے اس گروہ نے پہلی ہی مرتبہ کلام الٰہی شوق اور توجہ سے سُنا۔ دو تین سال کے عرصے میں اہل مدینہ کے دل پوری طرح مسخر ہوگئے اور وہ بقعہ پاک اسلام کا دارالامن بنگیا ہجرت سے چار مہینے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو عام اجازت فرمائی کہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ جوق جوق صحابی دارالہجرۃ کو جانے لگے حضرت

عمرنے بھی اسی زمانے میں ہجرت[1] کی۔ صدیق اکبر نے چند مرتبہ قصد کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہ کہکر منع فرمایا کہ خود مجکو حکم ہجرت کا انتظار ہے۔ حضرت ابوبکر نے فراست ایمانی سے اپنی رفاقت کا احساس کرکے اہتمام کے ساتھ دو قوی اونٹوں کی پرورش شروع کردی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ صبح شام حضرت ابوبکر کے مکان پر تشریف لیجاتے۔ ایک روز خلاف عادت دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی میں تشریف لیگئے۔ سر پر چادر لپیٹی ہوئی تھی اُسوقت حضرت ابوبکر اپنے بال بچوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے سُنکر کہا میرے ماں باپ اُن پر قربان ہوں بے وقت کا آنا بے وجہ نہیں ہوسکتا۔ اسی عرصے میں آپ دروازہ پر پہنچ گئے۔ اول اجازت طلب فرمائی بعد اجازت اندر تشریف لیگئے اور تخلیہ کی فرمائش کی حضرت صدیق نے کہا کہ کوئی غیر نہیں صرف میری ہی دونو لڑکیاں ہیں یہ سنکر آپنے فرمایا کہ ابوبکر ہجرت کی اجازت آگئی۔ اُنھوں نے بیساختہ کہا:—

الصحابۃ یارسول اللہ　　　　　　اور میری رفاقت یارسول اللہ

ارشاد فرمایا رفاقت کی بھی اجازت ہے۔ یہ سُنکر حضرت ابوبکر فرط مسرت سے رونے لگے حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اُس روز میں نے جانا کہ آدمی جوش خوشی میں بھی روتا ہے۔ اسی وقت حضرت ابوبکر نے دونو اونٹ پیش کرکے عرض کی کہ یہ اونٹ آج ہی کے واسطے تیار کئے ہیں ایک سواری خاصہ کیواسطے پسند فرما لیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ قیمتاً لے لیا۔ باقی جملہ انتظام بھی اسی وقت کئے گئے اور شب کا وقت روانگی کے واسطے مقرر ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام جلیل القدر اصحاب ہجرت کرکے مدینے چلے گئے تھے صرف حضرت علی

[1] ہجرت، رضاء الٰہی کے واسطے ترک وطن۔ اُس زمانے میں ہجرت فرض تھی ۱۲

مرتضیٰ اور حضرت ابو بکر باقی تھے۔ حضرت علی کو آپنے اس غرض سے مکہ میں چھوڑ کہ جو امانتیں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں وہ واپس دیکر مدینہ چلے آئیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ باوجود تمام خصومت اور عداوت کے کفار مکہ اپنی عزیز اور قیمتی چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس امانتاً رکھتے تھے اور اس کا باعث وہ اطمینان تھا جو آپکی صداقت و امانت پر تھا۔ الغرض وقت معین پر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ حضرت ابوبکر ہمراہ تھے مکہ سے روانہ ہوکر تین دن تک غار ثور میں قیام رہا جو مکہ کے نواح میں ہے اسی رفاقت کا ذکر اس آیہ پاک میں ہے:۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ — دو میں کا دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔

اور اسی غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کی تسلی کے واسطے وہ کلام ارشاد فرمایا تھا جس کی عظمت و شان کے سامنے آجتک شدید سے شدید دشمن کا بھی سر خم ہو جاتی

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا — غمگین نہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ وہ وقت ہے کہ حضرت آپ اور آپکے رفیق غار کے اندر ہیں کفار مکہ حالت غیظ و غضب میں سرگرم تلاش ہیں۔ تلاش کرتے کرتے، فعتاً غار کے منہ پر آکھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے جو اُن کے قدم اپنے سر کے اوپر دیکھے تو گھبرا گئے اور کہا:۔

اُدْرِکْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ — اے اللہ کے رسول کافروں نے ہمکو آلیا۔

آپنے غایت اطمینان کے ساتھ فرمایا:۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا — غمگین نہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے

روحی فداک یا رسول اللہ۔ تین دن کے بعد اونٹوں پر سوار ہوکر سمندر کی قریب کی راہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ ایک اونٹ پر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور حضرت

ابو بکر تھے دوسرے پر عبداللہ بن اریقط راہبر اور حضرت ابو بکر کے غلام آزاد حضرت عامر بن فہیرہ۔ حضرت ابو بکر کا سن اُس وقت پچاس برس چھ مہینے کا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال بالکل سپید تھے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک ترپن برس کا تھا مگر بال بالکل سیاہ تھے۔ قبول اسلام کے زمانے میں جو چالیس ہزار کا سرمایہ حضرت ابو بکر کے پاس تھا وہ خدمت اسلام میں صرف ہوتے ہوتے اب صرف پانچ ہزار رہگیا تھا۔ ہجرت کے وقت وہ سب روپیہ انہوں نے ساتھ لے لیا۔ اہل و عیال کفار کے نرغے اور خداے ذو الجلال کی پناہ میں چھوڑ دئے۔ ابو قحافہ نے جب اپنے بیٹے کی ہجرت کا حال سُنا تو گھبرائے ہوئے آئے اور اپنی پوتی حضرت اسما سے پوچھا کہ تیرا باپ ہجرت کر گیا اور سُنا ہے روپیہ بھی سب ساتھ لے گیا۔ اُنہوں نے یہ خیال کر کے کہ تو ہم دادا کو زیادہ صدمہ ہو کہا ابا یہ بات نہیں ہے وہ بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابو قحافہ کا سن اُس وقت اٹھاسی برس کا تھا بینائی سے معذور تھے۔ حضرت اسما نے اُس الماری میں جس میں روپیہ رہتا تھا پتھر بھر کر کپڑا ڈال دیا اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہا اس الماری میں دیکھو۔ اُنہوں نے ہاتھ سے کپڑا ٹٹولا اور کہا خیر اتنا چھوڑ گیا ہے تو مضائقہ نہیں صدیق اکبر نے اپنی اہل و عیال کو کس بیکسی اور خطرہ کی حالت میں چھوڑا تھا اُس کا اندازہ ذیل کے واقعہ ہو سکتا ہے۔ ہجرت کے بعد جب کفار اپنی ناکامی پر برافروختہ ہوئے تو ابوجہل مع چند آدمیوں کے اُن کے گھر آیا اور حضرت اسمار سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے اُنہوں نے کہا مجھکو معلوم نہیں اُس پر طیش میں آکر اُس شقی نے ایک تھپڑ اُن کے منہ پر اس زور سے مارا کہ کان سے آویزہ نکلکر دور جا پڑا۔

۱۲ ار ربیع الاول کو حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مع اپنے رفیق کے مدینہ پہنچے

دوپہر کا وقت تھا۔ اہل مدینہ نے چونکہ عام طور پر جمال مبارک نہیں دیکھا تھا اسلئے امتیاز نکر سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسے ہیں ادب مانع سوال تھا۔ جب چہرۂ اقدس پر دھوپ آئی، حضرت ابوبکر نے اٹھکر چادر کا سایہ کیا اُسوقت پہچانا۔

مہاجرین کا گروہ مدینہ طیبہ میں محض بے خانماں تھا ٹھہرنے کا ٹھکانا تو کسی کا بھی نہ تھا بہت سے بے سروسامان بھی تھے۔ جن کے پاس سرمایہ تھا وہ بھی دم لینے اور جائے قیام کے محتاج تھے اہل مدینہ نے جس حوصلہ اور محبت کیساتھ اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ انہی خدمات کے صلے میں انصار کا برگزیدہ لقب پایا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اپنے اصحاب میں مواخاۃ کا سلسلہ قایم کیا۔ یعنی ایک کو دوسری کا بھائی بنایا۔ یہ بھائی حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھکر ایک دوسرے کے ہمدرد اور رفیق بنگئے ایک انصاری جب اپنے بھائی مہاجر کو عقد مواخاۃ کے بعد گھر لے گئے تو اُن کو اپنا تمام مال اور جائداد کا جائزہ دیا اور کہا اس میں سے نصف تمہارا ہے۔ میری دو بیبیاں ہیں ایک کو طلاق دیتا ہوں بعد عدت تم اُس سے نکاح لینا۔ اُن کے بھائی مہاجر نے کہا کہ تمہارا مال و جائداد اور بیبیاں تم کو مبارک مجھکو ضرورت نہیں۔ حضرت ابوبکر کی مواخاۃ حضرت خارجہ بن زید انصاری سے قایم فرمائی گئی تھی اس لیے حضرت ابوبکر نے سنخ میں قیام کیا۔

ہجرت سے وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک

مدینہ پہنچکر سات مہینے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری کے مکان پر قیام فرمایا۔ پھر ایک موقع دس

لہ انصار مدینہ کے باشندے۔ مہاجر جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تھے ۱۲

سلہ سنخ مدینہ کا ایک محلہ تھا ۱۲

اشرفیوں میں خرید کر مسجد نبوی تعمیر فرمائی۔ یہ اشرفیاں حضرت ابو بکر کے مال سے دی گئیں۔ جو صحابۂ کرام مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اُن کے واسطے مسجد کے گرد مکانات تجویز کئے گئے ہی سلسلہ میں حضرت ابو بکر کا مکان بھی مسجد کے متصل بنا جس کی ایک کھڑکی احاطہ مسجد کے اندر تھی بنا مسجد نبوی کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ آدمی بھیجکر اہل وعیال کو طلب فرمایا اسی قافلہ میں حضرت ابو بکر کے اہل وعیال بھی مدینے پہنچے۔ حضرت صدیق کے بال بچے چند سے بمقام سُنح رہے جب مسجد کے پاس مکان تیار ہو گیا تو اس میں آگئے۔ یہ مکانات کچی اینٹ کے تھے۔ ٹیلوں کو مٹی سے لیسکر علیحدہ علیحدہ حجرے بنا دیئے جاتے تھے چھت کھجور کے لکڑی اور پتوں سے پاٹی جاتی تھی اسقدر بلند ہوتی تھی کہ آدمی ہاتھ اوٹھاتا تو چھت سے جا لگتا۔

ہجرت سے آغاز خلافت صدیقی تک دس برس کا زمانہ سیرۃ نبوی کا زمانہ ہے اگر اس عہد کے کل واقعات مفصل لکھے جائیں تو ایک جزو اعظم سیرۃ رسالت کا بیان کرنا ہوگا۔ جو اس رسالے کا موضوع نہیں اگر بالکل چھوڑ دیئے جائیں تو سیرۃ صدیقی کا ایک عظیم الشان حصہ ترک ہوتا ہے۔ اسلئے میں بھی وہی مسلک اختیار کرتا ہوں جو علامہ شبلی نے الفاروق میں اختیار کیا ہے یعنی واقعات کا مجمل بیان اور اُن کے ضمن میں حالات صدیقی کا خصوصیت سے اظہار۔

غزوۂ بدر اوپر کے بیانات سے فی الجملہ اندازہ اُن مصائب اور تکالیف کا ہوتا ہے جو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے ہاتھ سے پہنچی تھیں۔ نیز اُس شان رضا و تسلیم کا جو ذات اقدس اور مسلمانوں کی جانب سے عیاں ہوئی۔ اُس زمانے میں کفار نے اپنی تمام کوشش اذیت اور تکلیف پہچانے میں صرف کی تھی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اُنھوں

نے نورِ اسلام کو آبِ شمشیر سے بجھانا چاہا۔ اسلئے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو [illegible]
ایمان و اسلام کا اظہار فرمایا اور قیام مدینہ میں غزوات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ تمام
غزووں میں بدر کا غزوہ افضل و اشرف ہے اور جو حضرات اس غزوے میں شریک تھے وہ
تمام مسلمانوں سے درجہ میں بڑھکر ہیں۔ بدر ساحل سمندر کی جانب مدینہ سے [illegible] منزل
دور ایک کنواں تھا۔ ہر سال تین دن وہاں میلہ لگتا تھا۔ یہ غزوہ چونکہ اس موقعہ پر ہوا
کے نام سے مشہور ہے۔ ۲ھ میں مشرکین مکہ نے ایک بڑی جمعیت فراہم کی جس میں قریش
کے تمام سردار اور چیدہ آدمی شریک تھے اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ
کرنیکے واسطے مدینہ کا قصد کیا۔ آپ کو جب کفار کے ارادہ کا حال معلوم ہوا تو آپ تھوڑی سی
کی فوج لیکر روانہ ہوئے اور بدر پہنچکر مقام فرمایا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی
انمیں ستتر مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس انصار۔ تمام لشکر میں صرف ستر اونٹ اور
تین گھوڑے تھے جن پر باری باری سے مجاہدین سوار ہوتے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت مرثد غنوی کی سواری میں ایک اونٹ تھا۔ کفار
کی جمعیت ایک ہزار تھی جن میں سو سوار تھے۔ میدان بدر میں جب آپنے لشکر اسلام کی صفیں
ترتیب دیں اور مسلمانوں کی قلت بے سروسامانی اور کفار کی کثرت و شوکت دیکھی تو بارگاہ
الٰہی میں سربسجود ہوئے اور بغایت خضوع و خشوع سے دعا فرمائی:۔

اللھم انجز لی ما وعدتنی اللھم ان — اے اللہ تیرا جو وعدہ مجھسے تھا وہ پورا فرمادے اے اللہ
تھلک ھذہ العصابۃ من اھل — اگر تو اس گروہ اہل اسلام کو ہلاک کر دیگا تو پھر سطح زمین
الاسلام لا تعبد فی الارض — پر تیری عبادت نہو گی۔

عالم یہ تھا کہ آپ دعا میں مصروف تھے اور صدیق اکبر رداء مبارک کو آپکے شانوں پر

اُٹھائے ہوئے تھے۔ آخر دعا درجہ اجابت کو پہنچی اور حضرت ابوبکر نے عرض کی:۔

کفاك یا نبی اللہ بابی انت و امی — اے اللہ کے نبی تم پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں۔

فاستر تلك ربك فانه سینجز لك وعدہ — بارگاہ الٰہی میں آپکی مناجات کامیاب ہوئی جو آپ سے وعدہ تھا وہ عنقریب پورا فرمائیگا۔

اس پر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا ختم فرما دی اور یہ کہتے ہوئے میدان میں تشریف لائے:۔

سیھزم الجمع و یولون الدبر — جماعت کفار کو عنقریب شکست دیجائیگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگینگے

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے آیہ پاک میں

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم — یاد کرو اس دن کو جبکہ تم فریاد کرتے تھے اپنے رب سے بس اُسنے

انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین — قبول فرمائی تمہاری دعا کہ میں کمک دونگا ہزار فرشتوں سے جو لگاتار آنیوالے ہونگے۔

صحابہ کرام نے ایک چھوٹا سا سائبان حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کیواسطے میدان جنگ کے کنارے پر بنا دیا تھا۔ اُس میں آپ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر شمشیر برہنہ لئے حفاظت پر کمربستہ۔ جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور آپ نے بذات خاص کفار پر حملہ فرمایا تو سردار میمنہ حضرت ابوبکر تھے اور سردار میسرہ حضرت علی مرتضیٰ۔ صدیق اکبر کے بیٹے عبدالرحمن اُسوقت تک کافر تھے اور لشکر مشرکین میں شامل۔ حضرت صدیق نے اُن کو دیکھا تو طیش میں آکر للکارا اور کہا این مالی یا خبیث او پلید میری حقوق کیا ہوئے؟ انھوں نے جواب دیا

لم یبق غیر شکۃ و یعبوب + و صارم — صرف دستہ و تیز سمند تیز گام باقی ہے اور گمراہی

یقتل ضلال الشیب۔ — پیری کی قاتل تلوار۔

اسلام لانیکے بعد ایک بار حضرت عبدالرحمن نے اپنے والد سے کہا کہ غزوہ بدر میں ایک موقعہ

پر آپ میری زد پر آگئے تھے لیکن میں نے بچا دیا۔ یہ سنکر کہا کہ تو میری زد پر آجاتا تو میں کبھی نچھوڑتا۔ آخرکار مسلمانوں کو فتح اور مشرکوں کو شکست نصیب ہوئی۔ صنادید کفار اس معرکہ میں قتل ہوئے مثلاً۔ ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ

غزوۂ اُحد بماہ رمضان ۳ سنہ ہجری بروز شنبہ

غزوۂ بدر کے ایک سال بعد مشرکین مکہ ابوسفیان کے پاس جمع ہوکر گئے اور اپنے مقتول اعزہ کے انتقام میں مدد چاہی۔ ابوسفیان نے مقتولین بدر کے انتقام کا اہتمام کیا۔ مالی مدد دی۔ قبائل میں نقیب بھیجے کہ جوش دلاکر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر آمادہ کریں۔ الغرض تین ہزار پرجوش مشرکوں کا لشکر لیکر ابوسفیان روانہ ہوا۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں تاکہ مردوں کو غیرت دلاکر بھاگنے سے روکے رہیں مدینہ کے قریب اُحد نامی اک پہاڑ ہے یہ غزوہ اس پہاڑ پر ہوا تھا اسلیئے غزوہ اُحد کے نام سے مشہور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کفار کی خبر سنکر مع ایک ہزار مسلمانوں کے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں عبداللہ بن اُبی سرگروہ منافقین کی دراندازی سے لشکر اسلام میں تفرقہ پڑگیا۔ ایک ثلث آدمی منافق مذکور کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اور مسلمانوں کی جمعیت کم ہوکر سات سو رہگئی۔ میدان اُحد میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی پشت پر جو راستہ تھا اس پر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرماکر ہدایت کی کہ بدون حکم اپنی جگہ سے کسی حالت میں جنبش نکریں۔ مقابلہ شروع ہوا مشرکین کی عورتیں صفوں کی پشت پر ڈھول بجابجاکر جوش انگیز اشعار گاتی جاتی تھیں۔ بڑے زور کا رن پڑا مسلمانوں کے حملہائے مردانہ نے لشکر کفار کی صفیں الٹ دیں اور جمعیت کفر میں تفرقہ ڈالدیا۔ تیراندازوں کے دستے نے دشمنوں کی ہزیمت دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑکر مشرکوں کے خیمے لوٹنے لگے۔ اس سے مسلمانوں کی فوج کا پیچھا کھل گیا۔ اسی عرصے میں کسی نے مشہور

کردیا کہ رسول اللہ مقتول ہوگئے۔ کفار نے اس موقعے کو غنیمت خیال کرکے اپنی جمعیت پھر قائم کی اور دوبارہ بڑے زور کا حملہ کرکے مسلمانوں کے لشکر کے اندر گھس آئے۔ لشکرِ اسلام میں تفرقہ شدید پڑگیا۔ کافروں کی ایک جماعت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچی۔ ایک نے لب مبارک پر پتھر مارا جس کے صدمے سے ہونٹ شق ہوکر ایک دانت ٹوٹ گیا۔ دوسرے نے پیشانی اقدس پر تیسرے نے چہرۂ منور پر۔ ان متواتر زخموں کی وجہ سے چہرۂ مبارک پر خون بکثرت بہنے لگا۔ آپ خون پونچھتے اور فرماتے ؎

کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم وھو یدعوھم الی ربھم | وہ قوم کسطرح فلاح پائیگی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کردیا حالانکہ وہ اُنکو اُنکے رب کی طرف بلاتا ہے

اسی حالت میں کفار نے ریلا دیا اور آپ زخموں کے صدمے سے بیہوش ہوکر ایک غار میں گرگئے جس میں مسلمان شہدا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جب جمال مبارک نگاہ سے دور ہوگیا تو مسلمانوں کی پریشانی و آشفتگی کی انتہا نہ رہی۔ اور فرط اضطراب میں ہر طرف پھرنے لگے بالآخر سنبھلے اور اُس مقام پر آئے جہاں آپ تھے۔ محدث مشہور حاکم کا قول ہے کہ سب سے اوّل اُس موقع پر پہنچکر حضرت ابوبکر نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ حضرت علی نے دست مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ نے سہارا دیا اور آپ اُٹھکر کھڑے ہوگئے۔ خُود کی جو کڑیاں پتھروں کے صدمے سے چہرہ اقدس میں گھس گئی تھیں اُنکو حضرت ابوعبیدہ نے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر نکالا جس کے صدمے سے خود اُن کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ مالک بن سنان نے چہرۂ مبارک سے خون صاف کیا۔ اُس وقت صحابۂ کرام نے بیتاب ہوکر عرض کی کہ یا رسول اللہ کفار کے حق میں بد دعا کیجئے فرمایا کہ میں بد دعا کے واسطے نہیں بھیجا گیا اور دعا فرمائی "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے وہ سمجھتے نہیں"۔ اسی عرصے میں کفار کی ایک جماعت

پھر آپ کی طرف بڑھی۔ حضرت زیاد بن سکن نے پانچ انصار کو ساتھ لیکر جوانمردی سے روکا اور مع رفقا اُسی موقع پر شہید ہوگئے۔ جب زیادہ زخموں سے چور ہو کر گرے تو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُن کو اُٹھا کر میرے پاس لاؤ۔ آئے تو پائے مبارک پر اُن کا سر رکھ لیا اور اُس جان نثار نے اس حالت میں جان دی کہ رخسارہ قدم مبارک پر رکھا ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو دجانہ سپر بنکر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئے تھے اور حضرت سعد ابن ابی وقاص آپکے پاس کھڑے ہوئے کفار پر تیر برسا رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس کوشش اور جانفشانی سے کفار کو مسلمانوں نے ذات گرامی کے حملوں سے روکا۔ اسی وقفے میں باقی مسلمانوں نے سنبھلکر جمعیت پھر قائم کی اور کفار پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم درّہ کوہ کے اوپر تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر حضرت عمر۔ حضرت علی۔ حضرت طلحہ وحضرت زبیر ہمراہ تھے۔ یہاں خالد بن ولید نے اپنے سواروں کی جمعیت سے آپ پر حملہ کرنا چاہا۔ آپنے حضرت عمر کو حکم دیا اور اُنھوں نے کفار کو مار ہٹایا جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ حیات ہیں اور مسلمان خدمت میں کمربستہ ومستعد تو اُن کے حوصلے پست ہوگئے۔ اور میدان چھوڑکر بھاگے۔ حضرت حمزہ عم رسول اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ آغازِ معرکہ میں حضرت ابو بکر کے بیٹے عبد الرحمن نے میدان میں آکر اپنے مقابلے کے واسطے حریف طلب کیا۔ یہ دیکھکر حضرت ابو بکر خود اُن کے مقابلے پر آمادہ ہوئے تلوار میان سے نکالی اور آپ سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی۔ آپنے ارشاد فرمایا۔

شم سیفک وامتعنا بک — تلوار میان میں کرو اور ہمکو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو۔

بعد ہزیمت کفار ستر سپاہی لشکر اسلام کے اُنکے تعاقب میں مامور ہوئے منجملہ اُن کے حضرت ابو بکر بھی تھے۔

غزوہ خندق شوال ۵ھ

بدر اور اُحد کی ناکامی و ہزیمت کے بعد کفار مکہ میں تو حملہ آوری کی ہمت نہ رہی تھی مگر اسی زمانے میں ایک اور دشمن اسلام پیدا ہو گیا تھا۔ یعنی یہود۔ مدینہ اور نواح مدینہ میں یہودی کثرت سے آباد و آسودہ تھے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کو انھوں نے اپنا بیخ کن خیال کر کے مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ یہ لوگ خود تو مرد میدان نہ تھے لیکن سازش و فساد کا پورا ملکہ رکھتے تھے۔ اہل مکہ کے پاس وفد بھیجکر پھر مخالفت پر آمادہ کیا۔ اہل مکہ سے مطمئن ہونے کے بعد وفد نے قبائل میں دورہ کر کے ہر جگہ جوش جنگ تازہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار نبرد آزما دشمنان اسلام پھر آمادہ ہو گئے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس مہم کی اطلاع ملی تو آپ نے حفاظت کیلئے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا اہتمام فرمایا۔ خود بہ نفس نفیس خندق کھودنے میں شرکت فرماتے تھے۔ مسلمانوں نے اس محنت و جانفشانی سے کام کیا کہ لشکر کفار کے مدینہ پہونچنے سے پہلے پہلے خندق کھد کر تیار ہو گئی۔ مشرکین کی فوج دس ہزار تھی مسلمانوں کی تین ہزار موسم نہایت سرد تھا۔ سامان رسد قلیل۔ باوجود ان تمام مشکلات کے اہل ایمان نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور برابر ثابت قدم رہے۔ دشمنوں نے ایک مہینے تک محاصرہ رکھا اور متواتر حملے کئے لیکن ہر مرتبے زک اُٹھائی۔ لشکر اسلام کا ایک دستہ حضرت صدیق کے ماتحت خندق کے ایک حصے کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس موقع پر بعد کو مسجد بنا دی گئی جو مسجد صدیق کے نام سے مشہور اور شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانے تک موجود تھی۔

حدیبیہ[1] ذیقعدہ ۶ھ

ذیقعدہ ۶ھ میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ادائے عمرے کے واسطے مکہ کو روانہ ہوئے۔ احرام باندھے ہوئے تھے قربانی کے جانور ہمراہ

---

[1] حدیبیہ۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر چھوٹا سا گانو تھا۔

تھے۔ آپنے اس امر کا اعلان اچھی طرح فرمادیا تھا کہ مقصود صرف زیارت بیت اللہ ہی نہ مخالفت یا مخاصمت۔ مہاجرین انصار اور قبائل کے چودہ سو آدمی ہمرکاب تھے اثنار سفر میں یہ اطلاع ملی کہ قریش راستہ روکے ہوئے ہیں اور باہم یہ عہد کرچکے ہیں کہ آپ کو مکے میں نہ داخل ہونے دینگے۔ آپنے یہ حال سُنکر وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے ایک منزل طے فرماکر مقام حدیبیہ قیام فرمایا۔ بعد قیام حسب عادت آپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا بعد مشورہ حضرت ابوبکر کی رائے پسند فرمائی گئی۔ اس مقام پر قریشیوں کے متعدد ایلچی حاضر ہوئے اور آپنے سب کو اطمینان دلایا کہ محض زیارت کعبہ کا ارادہ ہی کوئی نزاع یا مخالفت پیش نظر نہیں۔ ایلچی اہل مکہ کو آپکی جانب سے مطمن کرتے تھے مگر قریشیوں کا شک کسی طرح رفع نہوا۔ آخر عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے ایلچی ہوکر آیا۔ اور اُس نے اہل مکہ کا عزم و اہتمام جنگ نہایت شد و مد کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر اُس وقت حاضر تھے۔ عروہ کی لن ترانی سُنکر ضبط نہ کرسکے اور کہا لات و عزیٰ کے پوجنے والے مشرکوں کا یہ اہتمام ہی تو کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدد سے مُنہ موڑلینگے۔ عروہ نے پوچھا یہ کون ہی۔ آپنے فرمایا ابن ابی قحافہ۔ عروہ نے کہا کہ اگر ابوبکر کے احسان مجھپر نہوتے تو میں اس کا جواب دیتا لیکن میں اُن کے احسانوں کا خیال کرکے درگزر کرتا ہوں۔ جب اُدھر کے ایلچیوں کو کامیابی نہوئی تو آپنے خود اپنا ایلچی خاص سواری کے اونٹ پر بھیجا۔ اس کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اونٹ کے پاؤں قلم کردیئے گئے۔ آپنے اس کے بعد حضرت عثمان کو بھیجا۔ جب اُنھوں نے پیام رسالت ابوسفیان وغیرہ اعیان قریش سے بیان کیا تو جواب دیا کہ تمکو طواف بیت اللہ کی اجازت ہی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نفرما لیں

ہیں طواف نہیں کرسکتا طیش میں آکر قریش نے اُنکو نظر بند کر دیا لشکر اسلام میں خبر پہنچی کہ
کہ عثمان قتل کر دیے گئے۔ یہ سُنکر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب
جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے معاودت ممکن نہیں۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کو
جمع فرمایا اور اُنسے مقابلۂ دشمن کی بیعت لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے زیر سایہ
کھڑے تھے۔ ایک ایک مسلمان آتا تھا اور دست مبارک پکڑ کر اقرار کرتا تھا کہ جبتک تن میں
جان ہے دشمن کے مقابلے سے مُنہ نہ موڑونگا۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعۃ الرضوان کے
نام سے مشہور ہے۔ اور اسی کی نسبت کلام مجید میں ارشاد ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ — یہ بات تحقیق ہے کہ اللہ مومنوں سے خوش ہوا جس وقت کہ
یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ — تجھسے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے

چونکہ حضرت عثمان غیر حاضر تھے اسلئے آپنے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لیکر اُنکی جانب سے
بیعت کی۔ بعد بیعت معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی۔ ادہر مسلمانوں کا یہ
عزم دیکھکر قریشیوں کے حوصلے پست ہوگئے۔ اور سُہیل نامی قاصد کے زبانی یہ پیام بھیجا کہ اس
سال مسلمان واپس جائیں آیندہ سال داخلۂ مکہ اور زیارت بیت اللہ کی اجازت دیجائیگی
اب اگر مسلمان داخل مکہ ہوئے تو ہمکو اندیشہ ہے کہ عرب خیال کرینگے کہ قریش مسلمانوں سے دبگئے
طویل مباحثے کے بعد شرائط صلح طے ہوئیں اور معاہدہ قلمبند ہونے لگا۔ شرائط صلح سے بظاہر کفار کی
کامیابی ثابت ہوتی تھی حضرت عمر کو اس سے اضطراب ہوا اور وہ جھپٹکر حضرت ابوبکر کے پاس
گئے اور فاروقی لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکر نے سُنکر جواب دیا۔

اَلْزِمْ غَرْزَہٗ — آپکی رکاب تھامے رہو۔

لہ الفاظ بیعت میں اختلاف روایت ہے بعض نے موت لکھا ہے بعض نے عدم فرار۔ ۱۲

اس سے بھی اطمینان نہوا تو فاروق اعظم نے اپنا خیال خود حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر کیا آپنے فرمایا کہ میں وحی ربانی کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔ یہ سنکر حضرت عمر خاموش ہو گئے۔ الغرض حضرت علی نے معاہدہ تحریر فرمایا۔ بعد تکمیل مسلمانوں کی جانب سے حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت علی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ کرام کے دستخط ہوئے۔ بعد معاہدہ آپنے اُسی مقام پر ارکان عمرہ ادا فرماکر مدینہ کو مراجعت کی۔ راستہ میں سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔ امام زہری کا قول ہے کہ اسلام میں اس سے پہلے کوئی فتح واقعہ حدیبیہ سے بڑھکر نہیں ہوئی تھی۔ ابتک مسلمان اور کافر جہاں ملتے تھے لڑنیکے واسطے اب صلح کی وجہ سے آشتی کے ساتھ ملنے لگے۔ اور کافروں کو احکام اسلام باطمینان سُننے کا موقع ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو زرا بھی دانشمند تھے مسلمان ہو گئے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد دو سال کے عرصہ میں اسقدر مسلمان ہوئے جسقدر اُس سے پہلے ۱۹ برس کے زمانے میں ہوئے تھے بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ ابن ہشام کا مقولہ ہے کہ امام زہری کے قول کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ میں چودہ سو آدمی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس کے دو سال ہی کے بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار تھے۔

خیبر[1] محرم ۷ھ

حدیبیہ سے مراجعت فرمانے کے بعد حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے سے زائد مدینہ میں قیام فرمایا اور آخر محرم میں یہودیوں کا فتنہ فرو کرنیکے ارادہ سے خیبر کو تشریف لے گئے۔ خیبر بہت سے قلعوں کا مجموعہ اور یہودیوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ یہودی قلعہ بند ہو کر لڑے اور مختلف قلعوں پر معرکے رہے۔ لشکر اسلام کا بڑا سفید نشان حضرت شیر خدا کے سپرد تھا۔ ایک قلعہ پر حضرت ابوبکر امیر لشکر مقرر ہو کر گئے۔ مگر فتح نہوا دوسرے

---

[1] خیبر مدینہ سے آٹھ منزل شام کی جانب ہے ۱۲

روز حضرت عمر نے حملہ کیا وہ بھی کامیاب نہوئے۔ تیسرے روز حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج میں ایسے شخص کو امیر لشکر بنا کر نشان دونگا جو خدا اور اُس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور جو بھاگنے والا نہیں اُس کے ہاتھ سے قلعہ فتح ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضےٰ کو نشان ملا اور حملہ حیدری سے قلعہ سر ہوگیا۔ خیبر صفر سنہ ۷ھ میں فتح ہوا۔

فتح مکہ رمضان سنہ ۸ھ

جو معاہدہ صلح حدیبیہ میں ہوا تھا کفار قریش نے جلد توڑ ڈالا۔ قبیلہ خزاعہ پر جو مسلمانوں کا حلیف (ہم پیمان) تھا، قبیلہ بنو بکر نے حملہ کیا یہ قبیلہ قریش کا حلیف تھا۔ خلاف شرائط معاہدہ قریش نے اپنے میل والوں کو مدد دی، انتہا یہ کہ قبیلہ خزاعہ کو جوار کعبہ میں بھی پناہ نہ ملی۔ اور حرم کے اندر قتل کئے گئے۔ آخر اُنھوں نے اپنا قاصد فریاد لیکر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ جس وقت ابن سالم اُن کا ایلچی حاضر خدمت ہوا۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابۂ کرام مسجد نبوی میں رونق افروز تھے۔ ابن سالم نے ایک دردناک نظم پڑھی جس میں مدد کی التجا تھی۔ اور قبیلہ خزاعہ کے مصیبت کی تشریح۔ آپ نے سنکر فرمایا کہ تمکو مدد دیگی۔ اسی عرصہ میں دوسرا وفد طلب مدد کے واسطے حاضر ہوا۔ دسویں رمضان المبارک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مع دس ہزار لشکر کے مکہ کی طرف کوچ فرمایا۔ آپکے عم بزرگوار حضرت عباس نے اس کا اندازہ کرلیا تھا کہ اگر کفار نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا تو کیا مصیبت نازل ہوگی۔ اس لئے آگے بڑھکر قریش کی اطاعت کا پیام آپکی خدمت میں پیش کیا جو منظور ہوا۔ اور سب کی جان بخشی کا اعلان فرمادیا گیا۔ چند مشرک جو اسلام کے شدید دشمن تھے امان سے محروم رہے۔ اُن کا نام لیکر فرمادیا گیا کہ اگر کعبہ کے پردوں میں بھی لپٹے ہوئے ملیں تو قتل کردئے جائیں۔ اس موقع پر خیال کرنا چاہئے کہ یہ وہ اہل مکہ تھے جنھوں نے تیرہ برس تک انتہائی سفاکی اور ظلم کے ساتھ آپکو اور آپکے ساتھیوں کو اذیتیں دیں

پہنچائی تھیں وطن سے بے وطن کیا۔ مدینہ میں بھی برسوں چین سے نہیں بیٹھنے دیا آج جب دس ہزار جاں نثار ہمرکاب ہیں۔ مکہ کے فتح ہونے اور کفار کو سزا کے کردار ملنے کا وقت آیا ہے تو شانِ رحمت کا ظہور ہوتا ہے اور بیدریغ دولت امن وامان لٹائی جاتی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ جو اپنے دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھ جائیں محفوظ۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیں اُن کا خون معاف۔ ذرا سوچو ابوسفیان کس کا نام تھا۔ جن لوگوں کی نسبت یہ عتاب تھا کہ خانہ کعبہ کے پردے بھی اُن کو امان و پناہ نہ دیں اُن کی بھی سفارشیں ہوتی ہیں اور خطا معاف ہو جاتی ہے۔ اس واقعۂ عظیم کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھو کہ یورپ کے منصف مزاج مصنف نبی کریم (علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم) کی تصویر ایک ایسے خونخوار شخص کی شکل میں پیش کرتے ہیں جو جوش انتقام میں بیخود ہو۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر اپنے والد ابوقحافہ کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تاکہ آنکو تلقین اسلام فرمائیں۔ آپ نے دیکھکر فرمایا کہ ابوبکر تم نے شیخ (بڑے میاں) کو مکان پر رہنے دیا ہوتا میں خود اُن کے پاس چلتا۔ عرض کی یا رسول اللہ اُنہی کو آپکی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا۔ آپ نے ابوقحافہ کو سامنے بٹھایا اور سینہ پر دست مبارک پھیر کر فرمایا اَسْلِمْ" اسلام لے آو۔ ابوقحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

حنین فتح مکہ نے قریش کی مخالفت کا تو خاتمہ کر دیا اور وہ ہمیشہ کے واسطے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے لیکن نواح مکہ میں ہنوز جوش مخاصمت برپا تھا۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے اپنے قبیلہ کو جمع کیا۔ ہوازن کے حلیف ثقیف وغیرہ قبائل بھی فراہم ہوئے اور سب نے ملکر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کا عہد کیا۔

---

[1] حنین ایک وادی مکہ سے تین منزل ہے ۱۲

دُریدصمہ جو ایک اہل الرائے سن رسیدہ شخص تھا، مالک کو بہت سمجھایا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے مگر مطلق اثر نہوا جب آپکو ان قبائل کے ارادہ کی خبر ہوئی تو آپنے حضرت عبداللہ اسلمی کو دریافت حال کے واسطے بھیجا۔ اُنھوں نے واپس آکر بیان کیا کہ قبائل ہوازن وغیرہ پوری طرح آمادہ پیکار ہیں۔ یہ سُنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے کوچ کا حکم دیا۔ علاوہ اُن دس ہزار آدمیوں کے جو مدینہ سے آئے تھے دو ہزار اہل مکہ بھی ساتھ ہوئے۔ اس طرح بارہ ہزار آدمیوں کی جمعیت رکاب سعادت میں تھی وادی حنین میں مقابلہ ہوا قبائل کے لشکر مخالف کے عزم وثبات کا یہ عالم تھا کہ ایک دیوار آہنی معلوم ہوتا تھا۔ معرکہ کارزار گرم ہوا مسلمانوں کے قدم اوّل ہی حملے میں اُکھڑ گئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کی جمعیت قائم کرنے کی کوشش فرمائی لیکن تفرقہ نہ مٹ سکا۔ اُس وقت آپکی خدمت میں صرف چند مہاجرین وانصار حاضر تھے باقی تمام لشکر متفرق ہوگیا تھا۔ منجملہ حاضرین حضرت ابوبکر وحضرت عمر تھے۔ اہل بیت میں سے حضرت علی۔ حضرت عباس۔ حضرت فضل بن عباس حضرت اسامہ بن زید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی حضرت ام ایمن کے بیٹے حضرت ایمن (جو اُسی روز شہید ہوئے) حاضر تھے حضرت عباس آپکے سفید خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے۔ وہ نہایت جسیم اور بلند آواز تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ باواز بلند پکارو "یا معشر الانصار یا معشر اصحاب سمرہ" اس ندا کے سامنے سارے تفرقے اور ابتری نے سپر ڈالدی۔ ادہر عم رسول نے باواز بلند پکارا "یا مُعشر الانصار یا معشر اصحاب سمرة" اودہر "لبیک لبیک" کی صدا سے جنگل گونج اُٹھا۔ گلہ نے اپنے راعی کی آواز پہچان لی اب بیتابی کا یہ عالم ہے کہ اونٹ قابو میں نہ آئے تو سب نے آہنی زرہیں اُتار اُتار کر انکی گردنوں پر ڈالدیں ہلکے ہو ہو کر کود پڑے۔ اور شمشیر بکف پروانہ وار شمع رسالت (روحی فداہ)

کے گرد جمع ہوگئے۔ جس وقت سو آدمی فراہم ہوگئے ہلّہ کا حکم دیا گیا اُن کی جانبازی دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا اب معرکۂ کارزار میں گرمی آئی۔ حضرت شیرِ خدا اور ایک انصاری نے ملکر دشمن کے نشان بردار پر حملہ کیا۔ حضرت علی نے اس کے پاؤں کاٹ دیئے وہ گرا تو انصاری نے ایک ہاتھ میں سوار کا کام تمام کر دیا۔ اسی عرصے میں مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہوگئی اور میدان اعداء سے جیت لیا۔ جب لشکر کا آخری حصہ لوٹکر میدان میں آیا تو اس نے دیکھا کہ قیدی مشکیں کسے میدان میں پڑے تھے۔

تبوک[1] رجب ۹ھ

اسلام کی آب و تاب اب دور دور تک نگاہوں کو خیرہ کرنے لگی اور کفر کے حلقوں میں تہلکہ بڑھتا گیا۔ پرخاش اور مخالفت کا دائرہ عرب اور یہود سے گزر کر روم تک جا پہنچا۔ اسی سلسلے میں فتح مکہ سے پہلے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم رومیوں کے مقابلہ پر روانہ فرمائی۔ جو سیرت میں غزوہ موتہ کے نام سے مشہور ہے اسی معرکے میں حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے (رضی اللہ عنہما) اب مدینہ خبر پہنچی کہ خود ہرقل روم باتفاق نصارائے عرب حملہ پر آمادہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شر کے دفع کرنے کی تیاریاں شروع فرمائیں یہ مہم ایک بڑی سلطنت کے مقابلے پر تھی اور منزل دور و دراز عرب میں قحط پڑا ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام جیش العسرۃ (مصیبت کا لشکر) ہے سب پر طرہ یہ کہ موسم کھجوروں کے پختہ ہونے کا تھا اس موسم میں اہل مدینہ باہر نہیں جاتے تھے۔ باغوں میں درختوں کے نیچے کھجوریں جمع کرتے احباب کے ساتھ ملکر کھاتے کھلاتے۔ ان اسباب سے منافقین نے خوب نفع اٹھایا اور دل کھول کر مسلمانوں میں تفرقہ اور مہم میں خلل ڈالا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] تبوک شام کا سرحدی شہر مدینہ سے قریباً ڈیڑھ سو میل ہے۔

مسلمان دولتمندوں کو تیاری لشکر میں مدد دینے کی ترغیب فرمائی حضرت عمر نے تو دیبان کیا ہی کہ جس وقت لشکر تبوک کی انفاق (چندہ) کا ارشاد ہوا اُس وقت میں خوب مالدار تھا میں نے دل میں کہا کہ اگر ابو بکر سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہے گھر گیا اور بہت سا مال لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا فرمایا عمر بال بچوں کے واسطے کیا چھوڑا۔ جواب دیا اسیقدر اس کے بعد حضرت ابو بکر نے اپنا انفاق (چندہ) پیش کیا۔ استفسار ہوا ابو بکر بال بچوں کے لئے کیا رکھا۔ عرض کی:۔

اَبْقَیْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه ان کے واسطے اللہ اور اس کا رسول رکھ دیا ہے۔

یعنی مال ظاہری کچھ نہیں چھوڑا۔ یہ سنکر حضرت عمر نے کہا کہ میں ابو بکر سے کبھی بازی نہیں لیجا سکتا۔ لشکر تبوک کے جائز داور امامت کا منصب اور بڑا نشان حضرت ابو بکر کے سپرد تھا۔ فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ دشمن نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی یوحنا حاکم ایلیا[1] نے حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمان صلح عطا فرمایا اور مع الخیر مدینہ کو معاودت فرمائی۔

حج ۹ھ | ذی حجہ ۹ھ میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ حج مکہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر امیر حج مقرر ہوئے۔ اسلام میں یہ پہلے امیر حج ہیں۔ بیس جانور قربانی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اور پانچ خود اُن کے ہمراہ تھے تین سو آدمیوں کا قافلہ تھا۔ اس سال مومن و مشرک دونوں نے حج ادا کیا اُس کے بعد مشرکوں کے واسطے داخلہ حرم ممنوع ہو گیا۔ اسی حج کے زمانے میں سورہ برأت کی تبلیغ حضرت علی مرتضیٰ نے باآواز بلند متواتر منجانب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی:۔

---

[1] ایلیا شہر بیت المقدس ۱۲

وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ

سنہ ۱۰ھ میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا چونکہ یہ حج آپکا آخر حج تھا اور خطبے میں آپنے اس کا اعلان فرمادیا تھا اسلئے اس کا لقب حجۃ الوداع ہی۔ معاودت فرمانیکے بعد مزاج اقدس ناساز ہوا۔ آخر صفر یا شروع ربیع الاول میں علالت وفات کی ابتدا ہوئی۔ ایک روز نصف شب کے وقت آپ گورستان بقیع کو (جہاں آپکے رفقا دفن ہیں) تشریف لیگئے۔ ابومُویہبہ آپکے غلام سے روایت ہی کہ اس شب کو مجھکو یاد فرماکر ارشاد کیا کہ اہل بقیع کے واسطے دعائے مغفرت کرنیکا حکم مجھکو ہوا ہی تم ہمراہ چلو۔ چنانچہ میں ساتھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کے وسط میں قیام فرماکر کہا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْمَقَابِرِ لِیُھْنیٰ لَکُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِیْهِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ فِیْهِ تَتْبَعُ آخِرُھَا اَوَّلَھَا۔ اَلْاٰخِرَۃُ شَرٌّ مِنَ الْاُوْلیٰ۔

اے بقیع کے قبروں میں سونے والو تم پر سلام تم جس حال میں ہو وہ بہت اچھا ہی اس حال سے جس میں زندہ انسان ہیں تاریک رات کے حصوں کی طرح فتنے چلے آرہے ہیں پچھلا فتنہ اگلے کو نگلے لیتا ہی اور اگلے سے پچھلا بدتر ہی۔

اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم

اس کے بعد میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا اے ابومویہبہ میرے سامنے دُنیا کا ابدی قیام اس کے خزانوں کی کنجیاں اور جنت پیش کی گئی۔ میں نے اپنے رب کے دیدار اور جنت کو انتخاب کرلیا۔ میں نے کہا میری ماں باپ آپ پر قربان۔ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور یہاں کا ابدی قیام پسند فرمالیجئے۔ آپنے فرمایا نہیں میں لقاء ربانی اور جنت پسند کرچکا۔ یہ فرماکر اہل بقیع کو مغفرت کی دعا کی اور دولتخانہ کو واپس تشریف لے آئے۔ حجرے میں پہنچے تو حضرت عائشہ کے سر میں درد تھا آپنے فرمایا میرے سر میں بھی درد ہی۔ یہی آغاز مرض تھا۔ جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ دوران مرض میں بھی حسب معمول آپ باری باری سے ازواج مطہرات کے یہاں

قیام فرماتے رہے جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی تو سب بیبیوں کو جمع فرماکر ایام مرض میں حضرت عائشہ کے یہاں قیام کی اجازت حاصل کی۔ بعد اجازت حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس کے شانوں پر دست مبارک رکھکر حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ سر بندھا ہوا تھا اور پاؤں فرطِ ضعف سے زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ زمانہ علالت میں ایک روز مسجد میں تشریف لائے منبر پر بیٹھکر اول شہدائے احد کے واسطے دعائے مغفرت کی اس کے بعد فرمایا۔

إِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یعنی اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور قرب الٰہی میں سے جسے چاہے پسند کرے اس نے اللہ کے قرب کو پسند کرلیا۔

حضرت ابوبکر فراست ایمانی سے اس قول کی تہ کو پہونچ گئے رونے لگے اور کہا۔

بَلْ نَفْدِيكَ بِأَنْفُسِنَا وَآبَائِنَا

نہیں بلکہ ہم اپنی جانیں اور اپنے باپ آپ پر سے قربان کردینگے۔

آپنے سنکر ارشاد فرمایا:-

عَلٰى رِسْلِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ

ابوبکر سنبھلو۔

پھر ارشاد فرمایا کہ جسقدر مکانوں کے دروازے صحن مسجد میں ہیں وہ سب بند کردیے جائیں مگر ابوبکر کے گھر کا دروازہ بدستور رہے۔ یہ کہکر فرمایا:-

فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا كَانَ أَفْضَلَ فِي الصُّحْبَةِ عِنْدِي يَدًا مِنْهُ فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنْ صُحْبَةٌ وَإِخَاءُ إِيمَانٍ

میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے نزدیک رفاقت میں باعتبار احسانات کے ابوبکر سے افضل ہو پس اگر میں کسی کو خلیلی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا مگر یہ صرف رفاقت اور اخوۃ ایمانی ہے۔

۵؎ انبیا اور صدیقین کے قلوب میں جو عظمت اور محبت خداوند تعالیٰ کی ہوتی ہے اس کے ساتھ کسی دوسرے کی محبت کی بالکل گنجائش نہیں رہتی۔ دوسری چیزوں سے اگر کسی درجہ پر محبت ہوتی ہے تو وہ بھی محبت الٰہی کا ایک شعبہ اور اس کے تابع ہوتی ہے۔ رشید

حَتّٰی یَجْمَعَ اللّٰہُ بَیْنَنَا عِنْدَہٗ۔ — یہانتک کہ خدا تعالیٰ ہمکو اپنے پاس جمع کرے۔

اس کے بعد مہاجرین کو تاکید فرمائی کہ انصار کے حقوق کا لحاظ رکھیں جب مرض کو اور زیادہ شدت ہوئی تو آپنے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو نماز کی امامت کریں یہ سُنکر حضرت عائشہ نے کہا کہ

رَجُلٌ رَقِیْقٌ ضَعِیْفُ الصَّوْتِ کَثِیْرُ الْبُکَاءِ اِذَا قَرَأَ الْقُرْاٰنَ۔ — وہ ایک نرم دل کمزور آواز کے آدمی ہیں جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ امامت کا بار نہ اُٹھا سکیں گے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مکرر دوبارہ حکم فرمایا۔ چنانچہ پنجشنبہ کی عشا کے وقت سے حضرت صدیق نے امامت شروع کی اور اس طرح سترہ نمازیں حیات مبارک میں پڑھائیں۔ دوشنبہ کو نماز صبح کے وقت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ اُٹھاکر باہر تشریف لائے۔ درد سر کی شدت کی وجہ سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ صحابہ کرام کی جماعت اور نماز دیکھکر چہرہ مبارک فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔ آپ آگے بڑھے تو لوگوں نے رستہ دیدیا۔ حضرت ابوبکر سمجھ گئے کہ آنحضرت تشریف لاتے ہیں۔ پیچھے ہٹنے لگے۔ آپنے پیٹھ پر ہاتھ مار کر فرمایا صَلِّ بِالنَّاسِ۔ نماز پڑھاؤ۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ بعد نماز با آواز بلند (جو مسجد کے باہر تک جاتی تھی) وعظ ارشاد فرمایا۔ اس میں یہ جملے بھی تھے۔

اَیُّھَا النَّاسُ سُعِّرَتِ النَّارُ وَاَقْبَلَتِ الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا تُمْسِکُوْنَ عَلَیَّ بِشَیْءٍ لَمْ اُحِلَّ اِلَّا مَا اَحَلَّ الْقُرْاٰنُ وَلَمْ اُحَرِّمْ اِلَّا مَا حَرَّمَ الْقُرْاٰنُ۔

اے لوگو آگ روشن کی گئی اور فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح چلے آتے ہیں اور قسم ہے رب کی میرے ذمہ تمہارا کچھ مطالبہ نہیں ہے میں نے وہی حلال بتایا جسکو قرآن نے حلال کیا اور وہی حرام بتایا جس کو قرآن نے حرام کیا۔

جب کلام مبارک ختم ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے عرض کی اے اللہ کے نبی آج تو خدا کے فضل و کرم سے آپ
ایسے اچھے ہیں جیسا ہم سب کا دل چاہتا تھا۔ آج بنت خارجہ کے یہاں جانے کی باری ہے
اجازت ہو تو وہاں جاؤں۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ پھر آپ دولتخانہ میں تشریف لے آئے۔ صدیق
اکبر سنح کو چلے گئے۔ اُن کے بعد بھی کچھ عرصے تک مزاج مبارک درست رہا چنانچہ جب حضرت
علی مرتضیٰ آپ کے پاس سے باہر آئے اور لوگوں نے خیریت دریافت کی تو جواب دیا۔

اصبح بحمد اللہ بارئاً — آج صبح سے خدا کا شکر ہے صحت ہے

مسجد سے واپس تشریف لانے پر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کی آغوش
میں تکیہ لگا کر بیٹھ گئے تھے اسی اثنا میں آپ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے ہاتھ میں مسواک
دیکھی اور اس کو بنظر رغبت ملاحظہ فرمایا۔ حضرت عائشہ نے منشا مبارک سمجھکر مسواک اُن کے
ہاتھ سے لی پہلے خود چبا کر نرم کی پھر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُسکو پیش
کیا آپ نے مسواک لیکر پوری قوت کے ساتھ دندان مبارک پر پھیری اور پھیرنے کے بعد رکھدی
بعد مسواک جب آپ کے بدن کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا تو حضرت عائشہ نے چہرۂ اقدس کی طرف
دیکھا۔ پتلیاں چڑھگئی تھیں اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی — اے اللہ مقام رفیق اعلیٰ میں پہنچا۔

تین بار یہ کلمات ادا فرما کر رحلت فرمائی۔ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ روز دوشنبہ وقت
چاشت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ صدیق اکبر نے اس سانحہ ہوش ربا کی خبر سنی تو
فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد کے دروازہ پر پہنچکر گھوڑے سے اُترے۔ حضرت عمر مسجد
میں مجمع کے سامنے گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے کسی جانب التفات نہیں کیا اور سیدھے

---

۵۱ حضرت ابوبکر کی بی بی تھیں جو سنح میں رہتی تھیں ۱۲۰

حجرۂ مبارک میں پہنچے۔ چہرۂ انور سے بُرد یمانی ہٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كَتَبَ اللهُ عَلَيْكَ فَقَدْ ذُقْتَهَا ثُمَّ لَنْ يُصِيبَكَ بَعْدَهَا مَوْتَةٌ أَبَدًا

آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپکی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں جو موت آپکے حق میں اللہ نے لکھدی تھی اُس کا ذائقہ آپنے چکھ لیا اب اسکے بعد آپ کبھی وفات نہ پائینگے۔

یہ کہکر چادر اطہر ڈھک دی اور باہر آئے۔ اُس وقت حضرت فاروق مجمع سے مخاطب ہوکر کہرہے تھے: منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے پاس موسیٰ کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب رہکر واپس آگئے تھے حالانکہ اُنکی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پاگئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت کرینگے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹینگے جو کہتے ہیں کہ آپنے رحلت کی۔ حضرت ابوبکر نے یہ کلام سُنا تو کہا اے عمر سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ۔ وہ چپ نہوئے تو حضرت صدیق نے خود سلسلۂ گفتگو شروع کردیا۔ حاضرین حضرت عمر کو چھوڑکر ادھر متوجہ ہوگئے۔ صدیق اکبر نے پہلے حمد وثنا بیان کی اُس کے بعد کہا۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ

اے لوگو جو شخص محمد کو پوجتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ محمد نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مریگا (خدا کا ارشاد ہے) اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول انسے پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مرجائینگے یا قتل کردیے جائینگے تو تم برگشتہ ہوجاؤ گے اور جو شخص برگشتہ

يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ہوجائیگا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیگا اور اللہ شکرگزاروں کو عنقریب جزا دیگا۔

اس آیۂ پاک کو سنکر لوگ چونک پڑے اور گویا اُن کو یاد آگیا کہ یہ آیۂ بھی نازل ہوئی ہے۔ بروایت حضرت ابوہریرہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اس آیۂ کو سنکر میرے پاؤں ٹوٹ گئے کھڑے رہنے کی قوت نہ رہی میں زمین پر گرگیا۔ اور مجھکو یقین ہوگیا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

باب دوم خلافت

سقیفۂ بنی ساعدہ

اسی حالت میں کہ مہاجرین مسجد نبوی میں جمع تھے ایک شخص نے آکر کہا کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں فراہم ہوکر خلافت کے بارہ میں مشورہ کررہے ہیں۔ اگر تمکو اُمت کے بچانے کی ضرورت ہے تو بچالو قبل اس کے کہ کام ہاتھ سے نکلجائے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ ہمکو اپنے بھائیوں انصار کے پاس چلنا چاہیے۔ چنانچہ دونوں صاحب روانہ ہوئے۔ استے میں حضرت ابوعبیدہؓ بھی شامل ہوگئے۔ آگے بڑھے تو دو انصاری ملے اور پوچھا کہاں جاتے ہو۔ فاروق اعظمؓ نے جواب دیا انصار کے جلسے میں۔ انصاریوں نے کہا وہاں نجائیے مہاجرین

لہ ایام خلافت میں ایکمرتبہ فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن جو میرا کلام تھا اُس کا منشا یہ آیۃ تھی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت میں آخر وقت تک قیام فرماکر اُس کے اعمال کی شہادت ادا فرمائینگے۔

کو اپنا معاملہ خود طے کرلینا چاہیے حضرت عمر نے قسم کھاکر کہا ہم ضرور جائیں گے۔ اس موقع پر یہ بیان کردینا مناسب ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں کیا ہو رہا تھا جب انصار سقیفہ میں جمع ہولیے تو سب سے اول حضرت سعد بن عبادہ نے خطبہ دیا۔ پہلے حمد و ثنار الٰہی بیان کی پھر کہا:-

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ لَكُمْ سَابِقَةٌ فِي الدِّيْنِ وَفَضِيْلَةٌ فِي الْاِسْلَامِ لَيْسَتْ بِقَبِيْلَةٍ مِنَ الْعَرَبِ، اَنَّ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَبِثَ بِضْعَ عَشْرَةَ سَنَةً فِي قَوْمِهِ يَدْعُوْهُمْ اِلَى عِبَادَةِ الرَّحْمٰنِ وَخَلْعِ الْاَنْدَادِ وَالْاَوْثَانِ فَمَا اٰمَنَ بِهِ مِنْ قَوْمِهِ اِلَّا رِجَالٌ قَلِيْلٌ وَكَانَ مَا كَانُوْا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يَمْنَعُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ يُعِزُّوْا دِيْنَهُ وَلَا اَنْ يَدْفَعُوْا عَنْ اَنْفُسِهِمْ ضَيْمًا عُمُّوْا بِهِ حَتّٰى اِذَا اَرَادَ بِكُمُ الْفَضِيْلَةَ سَاقَ اِلَيْكُمُ الْكَرَامَةَ وَخَصَّكُمْ بِالنِّعْمَةِ، فَرَزَقَكُمُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ بِهِ وَبِرَسُوْلِهِ وَالْمَنْعَ لَهُ وَلِاَصْحَابِهِ وَالْاِعْزَازَ لَهُ وَلِدِيْنِهِ وَالْجِهَادَ لِاَعْدَائِهِ وَكُنْتُمْ اَشَدَّ النَّاسِ عَلٰى عَدُوِّهِ مِنْكُمْ وَاَثْقَلَهُ عَلٰى عَدُوِّهِ مِنْ غَيْرِكُمْ حَتَّى اسْتَقَامَتْ

اے گروہ انصار تمکو دین میں وہ سبقت اور اسلام میں وہ فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد علیہ السلام اپنی قوم میں کچھ اوپر دس برس رہکر اُس کو خدا کی عبادت اور بت پرستی کے ترک کی جانب بلاتے رہے مگر باستثنار قلیل اُن کی قوم میں سے کوئی ایمان نہ لایا۔ جو ایمان لائے انھیں اتنی قوت نہ تھی کہ رسول اللہ کی حفاظت کرتے دین کا اعزاز بڑھاتے اور اپنے آپ سے ظلم اعدا کو دفع کرتے جس میں سب مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوا کہ تمکو عزت دے تو اُس نے تمکو شرف بخشا فضیلت کے ساتھ مخصوص فرمایا اور اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ نیز اس امر کی کہ تم رسول اللہ اور اُن کے اصحاب کی حفاظت کرو اُن کا اور اُن کے دین کا اعزاز بڑھاؤ اور اُن کے دشمنوں سے جہاد کرو۔ اس کے بعد تم اُن کے دشمنوں پر خواہ وہ تم میں سے تھے یا تمھارے غیر سب سے زیادہ سخت اور بھاری ہوگئے یہاں تک کہ تمام عرب کے سر حکم الٰہی کے سامنے طوعاً و کرہاً

العَرَبُ لِأَمْرِ اللهِ طَوْعاً وَكَرْهاً وَأَعْطَى	بھاگ گئے۔ اور تمھارے تلواروں نے عرب کو
لِبَعِيدِ المَقَادَةِ صَاغِراً دَاخِراً حَتّٰى	فرماں روا بنا دیا اور تمھارے ذریعے سے خداوند
أَثْخَنَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِرَسُولِهِ بِكُمُ	تعالیٰ نے سرزمین عرب کو مطیع۔ خداوند تعالیٰ نے
الأَرْضَ وَدَانَتْ بِأَسْيَافِكُمْ لَهُ العَرَبُ	اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) وفات دی
وَتَوَفَّاهُ اللهُ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ وَبِكُمْ	اور وہ تمھارے راضی و خوش تھے۔ خلافت کی نسبت
قَرِيرُ عَيْنٍ اِسْتَبِدُّوا بِهٰذَا الأَمْرِ مِنْ	پورا اصرار کرو وہ تمھارا حق ہے نہ اوروں کا
دُونِ النَّاسِ، فَإِنَّهُ لَكُمْ دُونَ النَّاسِ	

اس خطبے کے ختم ہونے پر تمام مجمع نے تحسین کی اور کہا ہم تمھاری رائے پر عمل کرینگے۔ تم ہم میں سے سربرآوردہ ہو اور صلحائے مومنین کے محبوب۔ اس کے بعد باہم بحث و گفتگو ہوتی رہی۔ دوران بحث میں کسی نے کہا کہ اگر مہاجرین نے اپنا یہ دعویٰ پیش کیا کہ ہم مہاجرین اور اولین صحابہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و رفیق پھر تم کس طرح ہمارے مقابلہ پر دعویٰ کرتے ہو تو ہمارا جواب کیا ہوگا۔ اس پر کسی نے کہا کہ ہم یہ جواب دینگے۔

إِذاً مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ — اس صورت میں ایک امیر ہم میں سے ہو ایک تم میں سے اس کے بغیر ہم کبھی راضی نہونگے۔ یہ سنکر حضرت سعد نے کہا کہ یہی کمزوری ہے۔ یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر ابوعبیدہ وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی چادر اوڑھے لیٹا ہے حضرت عمر نے پوچھا یہ کون ہے کسی نے کہا سعد بن عبادہ۔ اس طرح کیوں لیٹے ہیں۔ "بیمار ہیں" اس سوال جواب کے بعد تینوں حسب ضابطہ اُن کے بیٹھ جانے پر انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اُس نے انصار کے حقوق و فضائل پوری تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔ اسی طرح متعدد انصاریوں نے خطبے دیئے جب اُن کے سب خطیب سلسلۂ کلام ختم کر چکے تو حضرت عمر نے خطبہ دینا چاہا جسکو پہلے سے

سوچ چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا ٹھہرو وہ رُک گئے۔ صدیق اکبرؓ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا اوّل حمد و ثنائے الٰہی بیان کی پھر کہا:۔

إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً رَسُوْلاً إِلَىٰ خَلْقِهِ وَشَهِيْداً عَلَىٰ أُمَّتِهِ لِيَعْبُدُوا اللهَ وَيُوَحِّدُوْهُ، وَهُمْ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ آلِهَةً شَتَّىٰ وَيَزْعُمُوْنَ أَنَّهَا لَهُمْ عِنْدَهُ شَافِعَةٌ وَلَهُمْ نَافِعَةٌ، إِنَّمَا هِيَ مِنْ حَجَرٍ مَنْحُوْتٍ وَخَشَبٍ مَنْجُوْرٍ، ثُمَّ قَرَأَ: «وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللهِ»، وَقَالُوْا: «مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللهِ زُلْفَىٰ»، فَعَظُمَ عَلَى الْعَرَبِ أَنْ يَتْرُكُوْا دِيْنَ آبَائِهِمْ فَخَصَّ اللهُ الْمُهَاجِرِيْنَ الْأَوَّلِيْنَ مِنْ قَوْمِهِ بِتَصْدِيْقِهِ وَالْإِيْمَانِ بِهِ وَالْمُوَاسَاةِ لَهُ وَالصَّبْرِ مَعَهُ عَلَىٰ شِدَّةِ أَذَىٰ قَوْمِهِمْ لَهُمْ وَتَكْذِيْبِهِمْ إِيَّاهُمْ وَكُلُّ النَّاسِ لَهُمْ مُخَالِفٌ زَارٍ عَلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَوْحِشُوْا لِقِلَّةِ عَدَدِهِمْ

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے محمدؐ کو اپنی مخلوق کے پاس رسول و اُنکی اُمت کے واسطے نمائندہ بناکر بھیجا اس غرض سے کہ بندے اللہ کی عبادت اور اسکی توحید کا اقرار کریں حالت یہ تھی کہ لوگ متفرق معبودوں کو اس خیال خام سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے اُن کے شفیع بنکر نفع پہنچائیں گے ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ چوب و سنگ سے تراش لیے گئے تھے۔ (پھر آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے) اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبود پوجتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اُنکی پرستش صرف اسلیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا قرب بارگاہ الٰہی میں بڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنا دین آبائی کا چھوڑنا گراں گزرا اُس وقت اللہ نے رسول کی قوم میں سے مہاجرین اولین کو یہ خصوصیت بخشی کہ اُنھوں نے آپکی تصدیق کی ایمان لائے خدمت کے لیے کمربستہ ہوئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں اس حالت میں کہ تمام آدمی اُن کو جھٹلاتے تھے اور دشمن جانی ہو رہے تھے۔ وہ اس سے باوجو

وتشعث الناس لهم واجماع قومهم عليهم
فهم اول من عبد الله في الارض وامن بالله
وبالرسول وهم اولياؤه وعشيرته واحق الناس
بهذا الامر من بعده ولا ينازعهم
في ذلك الا ظالم وانتم يا معشر
الانصار من لا ينكر فضلهم في
الدين ولا سابقتهم العظيمة في
الاسلام رضيكم الله انصارا
لدينه ورسوله وجعل اليكم هجرته وفيكم
جلة ازواجه واصحابه فليس بعد
المهاجرين الاولين عندنا بمنزلتكم
فنحن الامراء وانتم الوزراء لا
تفتاتون بمشورة ولا نقضي
دونكم الامور۔

اپنی قلت اور دشمنوں کی سختی کے گھبرائے نہیں لہذا یہ
یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے اول روئے زمین پر
اللہ کی عبادت کی اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہی
ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا اور کنبے
والے ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں سوائے
ظالم کے اس معاملہ میں ان سے کوئی شخص نزاع نہیں کر سکتا
اور اے معشر انصار تمہاری دینی فضیلت اور سابقہ اسلام
سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تمکو اللہ نے اپنے دین
اور رسول کی مدد کے واسطے انتخاب کیا اپنے رسول کو
تمہاری پناہ میں ہجرت کے بعد بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے اکثر ازواج و اصحاب تم ہی میں سے ہیں لہذا
مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہی
پس ہم امرا ہوں تم وزرا۔ تم اپنے مشورہ پر بہت سے
کرنا ہم بغیر تمہارے مشورہ کے معاملات طے نہیں کرینگے

ایک روایت کے بموجب آخر میں یہ کہا:-

وقد رضيت لكم احد هذين الرجلين ايهما شئتم۔

میں ان دونوں میں سے جس ایک کو تم چاہو انتخاب کرتا ہوں۔

یہ کہکر حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عمر کی طرف اشارہ کیا اور دونوں کے مختصر فضائل بیان کئے انصار اس کے بعد بھی جوش کے ساتھ اپنے حقوق بیان کرتے رہے۔ آخر کار حضرت ابو عبیدہ نے کہا

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ إِنَّكُمْ أَوَّلُ مَنْ	اے گروہ انصار تم نے مدد اور قوت پہنچانے میں سبقت
نَصَرَ وَآزَرَ فَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ مَنْ بَدَّلَ	کی تھی لہذا تغیر تبدل کرنے میں سبقت نہیں کرنے
وَتَغَيَّرَ	چاہیے۔

یہ سنکر دو جلیل القدر انصاری یعنی حضرت زید بن ثابت اور حضرت بشیر بن سعد نے اپنے فریق کو سمجھایا حضرت زید بن ثابت نے کہا:۔

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمرۂ مہاجرین
كَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ فَإِنَّ الْإِمَامَ	میں تھے پس ضرور ہے کہ امام بھی مہاجرین میں سے ہو
يَكُونُ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَنَحْنُ أَنْصَارُهُ	اور ہم اس کے اسی طرح مددگار رہوں جس طرح رسول اللہ
كَمَا كُنَّا أَنْصَارَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــ	

حضرت بشیر بن سعد نے کہا:۔

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ إِنَّا وَاللّٰهِ لَئِنْ	اے گروہ انصار اگر ہمنے مشرکوں کے جہاد میں سب سے
كُنَّا أُولِي فَضِيلَةٍ فِي جِهَادِ الْمُشْرِكِينَ	زیادہ فضیلت حاصل کی اور دین میں عزت تو اس سے
وَسَابِقَةٍ فِي هٰذَا الدِّينِ مَا أَرَدْنَا بِهِ	مقصود صرف اللہ کی رضا اور اپنے نبی کی اطاعت اور
إِلَّا رِضَاءَ رَبِّنَا وَطَاعَةَ نَبِيِّنَا وَ	خود اپنے لئے کسب عمل تھا ہمکو روا نہیں کہ ہم اس کو
الْكَدْحَ لِأَنْفُسِنَا فَمَا يَنْبَغِي لَنَا	دوسرے آدمیوں کے حقوق میں دست اندازی کا ذریعہ
أَنْ نَسْتَطِيلَ عَلَى النَّاسِ بِذٰلِكَ	بناویں نہ اس کے عوض ہمکو جاہ دنیا طلب کرنا چاہیے
وَلَا نَبْتَغِي بِهِ مِنَ الدُّنْيَا عَرَضًا فَإِنَّ	خدا ہمکو اس کی جزا دیگا۔ خوب سمجھ لو کہ محمد صلی اللہ علیہ
اللّٰهَ وَلِيُّ الْمِنَّةِ عَلَيْنَا بِذٰلِكَ أَلَا إِنَّ	وسلم قریشی تھے ان کی قوم ان کے جانشینی کی سب

محمد صلی اللہ علیہ وسلم من قریش
وقومہ احق بہ واولی وایم اللہ لایرانی
اللہ انازعہم ہذا الامر ابدا فاتقوا اللہ و
لا تنازعوہم۔

زیادہ مستحق واہل ہیں بالقسم کہتا ہوں
کہ خدا مجھکو کبھی نہ دیکھے گا کہ میں ان سے
اس بارہ میں نزاع کروں پس تم خدا
سے ڈرو اور ان سے جھگڑا نہ کرو۔

حضرت بشیر کی گفتگو ختم ہونے پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ عمر اور ابوعبیدہ موجود ہیں ان میں سے جس سے چاہو بیعت کرلو۔۔ دونو نے کہا۔

لا واللہ لا نتولی ہذا الامر علیک فانک
افضل المہاجرین وثانی اثنین اذ
ہما فی الغار وخلیفۃ رسول اللہ
علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ افضل
دین المسلمین فمن ذا ینبغی لہ ان
یتقدمک او یتولی ہذا الامر علیک
ابسط یدک نبایعک

نہیں قسم رب کی اس معاملہ میں ہم تم پر
سبقت نہیں کرسکتے تم افضل مہاجرین
ہو رسول اللہ کے رفیق غار اور خلیفہ نماز
اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے
بڑھکر ہے پس یہ کسکو زیبا ہے کہ وہ تم پر مقدم
ہو یا تمہارے ہوتے ہوئے خلافت
کا متولی بنے ہاتھ بڑھاو ہم تم سے
بیعت کرتے ہیں۔

جس وقت ان دونوں صاحبوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کا ارادہ کیا حضرت بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کرکے سب سے اول بیعت کی۔ انکے بعد حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ نے۔ پھر تو یہ عالم ہوا کہ تمام مجمع بیعت کو ٹوٹ پڑا اور خوف ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ جو بوجہ مرض مجمع کے اندر لیٹے ہوئے تھے کچل نہ جائیں۔ جب بیعت کی خبر جلسہ کے باہر پہنچی تو ہر طرف سے آدمی جوق جوق آنے

لگے یہانتک کہ گلیاں اُنکے ہجوم سے بھر گئیں۔ یہ بیعت خاصہ تھی۔

بیعت عامہ — اگلے روز سہ شنبہ کو بیعت عامہ ہوئی۔ مسجد نبوی میں مسلمان جمع ہوئے۔ اوّل حضرت عمر نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا:۔

كُنْتُ اَرْجُوْاَنْ يَعِيْشَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَدْبُرَنَا فَاِنْ يَكُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ جَعَلَ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ نُوْرًا تَهْتَدُوْنَ هَدَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ اَبَا بَكْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَانِيُ اثْنَيْنِ وَاِنَّهُ اَوْلَى الْمُسْلِمِيْنَ بِاُمُوْرِكُمْ فَقُوْمُوْا فَبَايِعُوْهُ۔

میری یہ توقع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے بعد تک زندہ رہینگے لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو تمہارے پاس وہ نور موجود ہے (قرآن) جو تمکو وہ راستہ دکھائیگا جسے اللہ نے اپنے رسول کو چلایا تھا۔ اور ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رفیق غار ہیں اور وہ سب مسلمانوں سے زیادہ تمھارے معاملات کے انصرام کے اہل ہیں اب اٹھو اور اُنسے بیعت کرو

حضرت عمر نے کلام بالاختم کرکے حضرت ابوبکر سے اصرار کیا کہ منبر پر بیٹھیے مگر وہ انکار کرتے رہے۔ آخر حضرت فاروق کا اصرار غالب آیا اور حضرت ابوبکر منبر پر بیٹھے لیکن اُس مقام سے ایک درجہ نیچے جہاں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے۔ جلوس منبر کے بعد عام طور پر مسلمانوں نے بیعت کی۔ (فبايعه الناس عامة) بعد بیعت حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبۂ خلافت دیا۔ اول حمد و ثنا الٰہی بیان کی پھر کہا:۔

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ فَوَاللّٰهِ مَا
كُنْتُ حَرِيْصاً عَلَى الْإِمَارَةِ يَوْماً وَلَا
لَيْلَةً قَطُّ وَلَا كُنْتُ رَاغِباً فِيْهَا
وَلَا سَأَلْتُهَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فِي سِرٍّ
وَعَلَانِيَةٍ وَلٰكِنِّي اَشْفَقْتُ مِنَ
الْفِتْنَةِ وَمَا لِي فِي الْإِمَارَةِ مِنْ
رَاحَةٍ وَلٰكِنْ كُلِّفْتُ أَمْراً عَظِيْماً
مَا لِي بِهٖ طَاقَةٌ وَلَا يَدَانِ إِلَّا
بِتَقْوِيَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَوَدِدْتُ
أَنَّ أَقْوَى النَّاسِ عَلَيْهَا مَكَانِي
الْيَوْمَ إِنِّي قَدْ وُلِّيْتُ عَلَيْكُمْ
وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ فَإِنْ أَحْسَنْتُ
فَأَعِيْنُوْنِي وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُوْنِي
الصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَالْكِذْبُ خِيَانَةٌ
وَالضَّعِيْفُ فِيْكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي
حَتّٰى أُزِيْحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ
وَالْقَوِيُّ مِنْكُمْ ضَعِيْفٌ حَتّٰى
آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا يَدَعُ
قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ

بعد حمد الٰہی اے آدمیو واللہ مجھکو ہرگز امیر بننے
کی حرص نہ کبھی دن میں تھی نہ رات میں اور
نہ میرا میلان اُس کی جانب تھا اور نہ میں نے
اللہ سے ظاہر یا پوشیدہ اُس کے لیے
دعا کی البتہ مجھکو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ
نہ اُٹھ کھڑا ہو مجھکو حکومت میں کچھ راحت
نہیں ہے بلکہ مجھکو ایک ایسے امر عظیم کی تکلیف
دی گئی ہے جس کے برداشت کی مجھ میں طاقت
نہیں اور نہ وہ بدون اللہ عزوجل کی مدد
کے قابو میں آسکتا ہے میری ضرور یہ آرزو
تھی کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی
ہوتا تحقیق ہے کہ میں تمہارا امیر بنایا گیا اور میں
تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں راہ راست
پر چلوں مجھکو مدد دو اگر بے راہ چلوں
مجھکو سیدھا کردو۔ صدق امانت ہے اور
کذب خیانت جو تم میں کمزور ہے وہ میرے
نزدیک قوی ہے انشاء اللہ اسکا حق دلوادونگا
اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور
ہے اُس سے انشاء اللہ حق لیکر چھوڑونگا

اِلَّا اُمِرَ بِهِمْ اَللّٰهُ مَا اَنْزَلَ وَلَا يَشِيعُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ اَطِيعُوْنِي مَا اَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَاِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ قُوْمُوْا اِلٰى صَلٰوتِكُمْ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ

جو قوم راہ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہی وہ ذلیل کر دی جاتی ہی اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہی اُسپر عام طور پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہی۔ جب تک میں اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اُسکے رسول کی نافرمانی کروں تمکو میری اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اب نماز کے واسطے کھڑے ہو جاؤ خدا تم پر رحم فرمائے۔

بعد بیعت خلیفہ رسول اللہ لقب ہوا۔ ایک موقع پر کسی نے خلیفۃ اللہ کہکر مخاطب کیا تو کہا میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی سے میں خوش ہوں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں معنی خلافت پر ایک لطیف بحث لکھی ہی اگرچہ اُسکی اصلی شان تو خود شاہ صاحب کے الفاظ میں ہی مگر مناسب معلوم ہوتا ہی کہ اسکا خلاصہ عام فہم پیرایہ میں یہاں بھی لکھدیا جائے۔

یہ امر قطعی طور پر ثابت ہی کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام تھی اور آپ تمام ہی نوع انسان کی ہدایت کے واسطے مبعوث ہوئے تھے۔ بعد بعثت آپنے جن امور کا اہتمام کوشش بلیغ کے ساتھ فرمایا اگر اُن سب کا استقرا کرکے جزئیات سے کلیات بنائیں اور کلیات سے کلی واحد جو جنس اعلیٰ ہو تو ثابت ہوگا کہ تمام کوششوں کا مرجع اقامت دین تھی۔ یہ جنس اعلیٰ ہی اسکے

تحت میں حسب ذیل کلیات آتی ہیں۔ علوم دین کا احیاء (قائم رکھنا اور رائج کرنا) علوم دین سے مراد ہے قرآن و سنت کی تعلیم اور وعظ و نصیحت۔ ارکان اسلام نماز روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج وغیرہ کا قیام و استحکام۔ لشکر اسلام کی آراستگی و درستی۔ امرائے لشکر کا تقرر۔ غزوات کا اہتمام۔ مقدمات کا انفصال۔ قاضیوں کا تقرر۔ امر بالمعروف (عمدہ افعال و اوصاف کا حکم دینا اور انکو رائج کرنا) و نہی عن المنکر (بری باتوں کو روکنا اور انکا انسداد کرنا) جو حکام نائب مقرر ہوں انکی نگرانی کہ پابند علم رہیں اور خلاف ورزی احکام نہ کریں۔ ان جملہ امور کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس فرمایا اور انکے انصرام کے واسطے نائب بھی مقرر فرمائے۔ وعظ و نصیحت فرمائی۔ صحابہ کو ممالک میں وعظ و نصیحت کے واسطے بھیجا۔ جمعہ و عیدین پنج وقتہ نماز کی امامت خود فرمائی۔ دوسرے مقامات کے واسطے امام مقرر کیے۔ وصول زکوٰۃ کے واسطے عامل مامور کیے۔ وصول شدہ روپیوں کو مصارف مقررہ میں صرف کیا۔ رویت ہلال کی شہادت آپکے حضور میں پیش ہوتی اور بعد ثبوت روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم صادر ہوتا حج کا اہتمام بعض اوقات خود فرمایا بعض اوقات نائب مقرر کئے جسطرح سنہ ۹ ھ میں حضرت ابوبکر کو امیر حج مقرر کرکے بھیجا۔ غزوات کی سپہ سالاری خود کی نیز امرا نائب سے یہ کام لیا گیا۔ مقدمات و معاملات فیصل کیے۔ قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ علی ہذا القیاس باقی امور۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین کے قیام و حفاظت کے واسطے ضروری تھا نائب مطلق یا خلیفہ کا تقرر تاکہ وہ اقامت دین کی مذکورہ بالا خدمات کو انجام دے۔

جیشِ اسامہؓ

مرض وفات میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا جسکے سردار حضرت اُسامہ بن زید مقرر فرمائے گئے تھے۔ مدینہ اور نواحِ مدینہ کے سات سو جوان اس مہم کے لیے نامزد ہوئے تھے۔ یہ مہم رومیوں کے مقابلہ پر اس لشکر اسلام کے انتقام لینے کے واسطے مامور ہوئی تھی جسکو رومیوں نے ۸ھ میں بمقام موتہ تباہ کیا تھا۔ مگر آپ کی علالت کی شدت اور وفات کے سبب روانگی نہو سکی حضرت ابوبکر نے بیعت کے دوسرے روز حکم دیا کہ جیش اُسامہ تیار ہو کر روانہ ہو۔ منادی نے ندا دی۔

لِيُتِمَّ بَعْثُ اُسَامَةَ اَلَا لَا يَبْقَيَنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا خَرَجَ اِلَى عَسْكَرِهِ بِالْجُرُفِ۔

اُسامہ کے لشکر کو تیار ہو جانا چاہیے تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ اس مہم میں نامزد ہیں اُن میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاؤ پر بمقام جرف[1] جمع ہو جائیں۔

یہ پہلا حکم تھا جو حضرت ابوبکر نے بحیثیت خلافت جاری کیا۔ اسی عرصہ میں کہ لشکر چھاؤنی میں جمع ہوا اور اُس کی روانگی عمل میں آئے عرب کے ارتداد اور یہود و نصاریٰ کی سرکشی کی خبریں متواتر مدینہ میں آنے لگیں ان خبروں سے مسلمانوں کا تردد بڑھا۔ مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت تھا۔ مصیبت عظمیٰ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کا سروں سے اُٹھ جانا تھا۔ اسی کے ساتھ عرب میں ارتداد پھیل رہا تھا یہود و نصاریٰ نے ان حالات کو دیکھکر سرکشی شروع کر دی تھی اُسپر طرہ مسلمانوں کی قلت۔ دشمنوں کی کثرت۔ صحابی جلیل القدر حضرت عبداللہ

---

[1] جرف مدینہ سے باہر ایک میدان تھا۔ ۱۲

بن مسعود کا قول ہے کہ اس وقت مسلمان بکریوں کے اس گلے سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالت بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے۔ ان حالات پر نظر کر صحابہ کرام نے امیر المومنین سے کہا کہ جو آدمی لشکر اسامہ میں جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کے چیدہ و منتخب افراد ہیں عرب کی حالت آپکی نگاہ کے سامنے ہے اس صورت میں مسلمانوں کی جمعیت کو متفرق کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔

وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ لَوْظَنَنْتُ	قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے
اَنَّ السِّبَاعَ تَخْطِفُنِی لَاَنْفَذْتُ	اگر مجھکو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھکو اٹھا لیجائینگے
جَیْشَ اُسَامَۃَ کَمَا اَمَرَ بِہٖ رَسُوْلُ	تو بھی بہ تعمیل حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کا
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَوْلَمْ	لشکر ضرور بھیجتا اگر بستیوں میں سوا میرے
یَبْقَ فِی الْقُرٰی غَیْرِیْ لَاَنْفَذْتُہٗ	ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگی کا حکم یقینا

دیتا۔

اسکے بعد بہ خیال مزید اہتمام مسلمانوں کے سامنے مجمع عام میں خطبہ دیا اور تیاری لشکر کی تاکید کی۔ جب تمام لشکر جرف کے پڑاو پر جمع ہوگیا تو حضرت اسامہ امیر عسکر نے حضرت عمر کی زبانی حضرت ابوبکر سے کہلا بھیجا کہ مجھکو اندیشہ ہے کہ میری روانگی کے بعد کفار خلیفہ رسول اللہ۔ حرم نبوی اور باقی مسلمانوں پر دوڑ پڑینگے اسلیے اگر آپ اجازت دیں تو میں معہ لشکر مدینہ چلا آؤں اسی کے ساتھ انصار نے یہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ لشکر روانہ ہی کریں تو بجائے اسامہ[1] کے کسی سن رسیدہ آدمی کو سردار مقرر کیجئے۔ پہلا پیام سنکر حضرت ابوبکر نے قریباً وہی جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا۔ جب حضرت

---

[1] حضرت اسامہ کا سن اسوقت انیس برس کا تھا۔

عمر نے انصار کا پیام سنایا تو حضرت صدیق غصے سے بیتاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہا تمکو موت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو امیر لشکر بنایا تم مجھکو ہدایت کرتے ہو کہ میں اُسکو معزول کروں۔ اس جواب کے بعد جُرف کے پڑاؤ پر خود گئے اور رخصت کرکے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ جب کوچ ہوا تو حضرت اُسامہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت ابوبکر پیادہ پا ساتھ ساتھ چل رہے تھے خلیفہ کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمن بن عوف کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت اُسامہ نے حضرت ابوبکر سے کہا یا آپ سوار ہو لیں یا مجھکو پیادہ چلنے کی اجازت دیں جواب دیا کہ نہیں سوار ہونگا نہ تم کو پیادہ چلنے کی اجازت ملیگی اگر میں ایک ساعت راہِ خدا میں اپنے قدم خاک آلود کروں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ غازی راہِ خدا میں جو قدم رکھتا ہے اُسکے بدلے میں سات سو درجے بلند کیے جاتے ہیں سات سو گناہ معاف ہوتے ہیں۔ سات سو نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اسکے بعد لشکر کو مخاطب کرکے فرمایا:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قِفُوا أُوصِيكُمْ بِعَشْرٍ فَاحْفَظُوهَا عَنِّي: [1] لَا تَخُونُوا [2] وَلَا تَغُلُّوا [3] وَلَا تَغْدِرُوا [4] وَلَا تُمَثِّلُوا [5] وَلَا تَقْتُلُوا طِفْلًا وَلَا شَيْخًا كَبِيرًا وَلَا امْرَأَةً [6] وَلَا تَعْقِرُوا نَخْلًا وَلَا تُحَرِّقُوهُ وَلَا تَقْطَعُوا الشَّجَرَةَ الْمُثْمِرَةَ [7] وَلَا

اے آدمیو کھڑے ہو جاؤ میں تم کو دس حکم دیتا ہوں اُن کو میری جانب سے اچھی طرح یاد رکھنا [1] خیانت نہ کرنا۔ [2] دھوکا نہ دینا۔ [3] سردار کی نافرمانی مت کرنا۔ [4] کسی شخص کے اعضا مت کاٹنا۔ [5] کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل مت کیجیو۔ [6] کھجوریا اور کسی میوہ دار درخت کو نہ کاٹیو اور نہ جلائیو۔ [7] بکری گائے یا اونٹ کو سوائے

مَنْحُوسَاتٌ وَلَا بَقَرَةٌ وَلَا بَعِيرًا	غذا کی ضرورت کے نہ مارنا۔ تم کو ایسے لوگ
إِلَّا لِمَا كُلَّةٍ وَسَوْفَ تَمُرُّونَ	ملین گے جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہوکر
بِأَقْوَامٍ قَدْ فَرَغُوا أَنْفُسَهُمْ	بیٹھے ہونگے اُنکو اُنکے حال پر چھوڑ دینا۔ اور تمکو
بِاللَّهِ وَامِعٍ فَدَعُوهُمْ وَمَا	ایسے آدمی ملینگے جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے
فَرَغُوا أَنْفُسَهُمْ وَسَوْفَ	برتنوں میں رکھکر لائینگے جب تم ان کھانوں کو
تَرِدُونَ عَلَىٰ قَوْمٍ يَأْتُوكُمْ	یکے بعد دیگرے کھاؤ تو خدا کا نام لیتے جانا۔
بِآنِيَةٍ فِيهَا أَلْوَانُ الطَّعَامِ	(یعنی نعمتیں پاکر خدا کو بھول نہ جانا) اور تم کو
فَإِذَا أَكَلْتُمْ مِنْهَا شَيْئًا بَعْدَ	ایک ایسی قوم ملیگی جنکے سر کے بال بیچ میں
شَيْءٍ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا	منڈے ہونگے اور پٹے چھوٹے ہونگے اُن کو
وَتَلْقَوْنَ أَقْوَامًا قَدْ فَحَصُوا	تازیانہ کی سزا دی جلے۔ خدا کا نام لیکر
أَوْسَاطَ رُؤُوسِهِمْ وَتَرَكُوا	روانہ ہو خدا تمکو (دشمن کے) حربہ اور
حَوْلَهَا مِثْلَ الْعَصَائِبِ فَاخْفِقُوا	طاعون کے حملے سے محفوظ رکھے۔
هُمْ بِالسَّيْفِ خَفْقًا انْدَفِعُوا	
بِاسْمِ اللَّهِ أَفْنَاكُمُ اللَّهُ الطَّعْنَ	
وَالطَّاعُونَ۔	

یہ لشکر غرہ ربیع الآخر کو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ٹھیک انیس روز بعد) مدینہ سے روانہ ہوا منزل مقصود پر پہنچا اور با خلاف روایت چالیس دن یا اس سے کسیقدر زائد عرصہ میں ارشاد نبوی کی تعمیل کر کے مع الخیر واپس آگیا۔ مورخین کا قول ہے کہ اس لشکر کی روانگی سے تاپل میں دھاک بندگئی

اور انھوں نے خیال کیا کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہوتی تو اس لشکر کو مدینہ سے باہر نہ بھیجدیتے۔

ارتداد

فتح مکہ[1] کے بعد کثرت سے قبائل عرب نے اپنے وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ سیرت میں ۹ھ کا نام "سنۃ الوفود" ہے۔ اسی سلسلہ میں یمن کے زبردست قبیلے بنو حنیفہ کا وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ وفد مذکور میں مسیلمہ بھی تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مسیلمہ جمال نبوی کے دیدار سے مشرف ہوا یا نہیں۔ بہرحال یہ وفد مسلمان ہو کر یمن واپس گیا اور اُس کی واپسی پر قبیلۂ بنو حنیفہ اسلام لے آیا۔ ۱۰ھ کے آخر میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اہل یمن کی ہدایت کے واسطے بھیجا۔ اس سے قبل چھ مہینے تک حضرت خالد بن ولید نے تبلیغ اسلام کی مگر کچھ اثر نہوا۔ حضرت شیر خدا کی آمد کی خبر سنکر کثرت سے یمنی سرحد پر استقبال کو آئے۔ صبح کی نماز باجماعت حضرت علیؓ نے ادا فرمائی۔ بعد نماز سب اہل یمن صف بستہ سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت مرتضیٰ نے اُن کو مخاطب کر کے اول حمد و ثناءِ الٰہی بیان فرمائی اُسکے بعد فرمانِ رسالت سنایا اور تلقین اسلام کی اس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ اُسی روز تمام قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ بعد کامیابی حضرت علی مرتضیٰ نے مراجعت فرمائی اور حجۃ الوداع کے موقع پر بمقام عرفات آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غرض ۹ھ اور ۱۰ھ میں ملک یمن محض تبلیغ کے اثر سے دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ ۹ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی

---

[1] رمضان ۸ھ کے آخری حصہ میں فتح ہوا۔

اور آپنے اُسکے وصول کے واسطے عمال مختلف اطراف عرب میں مقرر فرمائے یمن میں باذان کو بدستور سابق تمام یمن کا عامل رکھا۔ حجۃ الوداع میں باذانؔ کی وفات کی خبر پہنچی اور آپنے اسی موقع پر جدید انتظام فرمایا۔ ملک یمن مختلف حصوں پر تقسیم کیا گیا اور ہر حصہ پر جداگانہ عامل کا تقرر ہوا۔ حضرت معاذ بن جبل اس خدمت پر مامور ہوئے کہ تمام ملک یمن میں دورہ کرکے احکام اسلام کا اجرا کرتے رہیں۔ اسی زمانے میں پہلا کاذب مدعی نبوت یمن میں بمقام صنعا پیدا ہوا جسکا نام اسود عنسی تھا اُسکو بہت فوری کامیابی ہوئی اور چند ہی دن میں اُسنے ہر طرف آتش فساد مشتعل کردی قبیلہ بنی اسد میں طلیحہؔ نے دعوی نبوت کیا۔ تیسرا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب تھا اسود عنسی کی کامیابی دیکھکر اُسکو بھی جرأت ہوئی اور دعوی نبوت کا منصوبہ قایم کرکے اُسنے اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو شریک رسالت کرلیا ہے۔ انتہائے خیرہ سری یہ تھی کہ سنہ ۱۰ھ کے آخر میں اُسنے ذیل کا خط آپ کی خدمت میں بھیجا

مِنْ مُسَیْلِمَةَ رَسُوْلُ اللهِ اِلیٰ مُحَمَّدٍ رَسُوْلُ اللهِ فَاِنِّی قَدْ اُشْتُرِکْتُ مَعَکَ فِی الْاَمْرِ وَ اَنَّ لَنَا نِصْفَ الْاَرْضِ وَلِقُرَیْشٍ نِصْفُهَا وَلٰکِنَّ قُرَیْشًا قَوْمٌ یَعْتَدُوْنَ	مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام میں رسالت میں تمہارا شریک کیا گیا ہوں آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی مگر قریشی ایسی قوم ہیں جو ظلم کرتی ہے۔

اسکے جواب میں یہ فرمانِ رسالت مدینہ سے جاری ہوا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے

لہ باذان پہلے کسری کی طرف سے عامل یمن تھے۔

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُسَیْلِمَةِ الْکَذَّابِ اَمَّا بَعْدُ فَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام بعد حمد پس سلام ہو اُس پر جو راہ راست کے پیرو ہیں یہ تحقیق ہو کہ ساری زمین اللہ کی ہو اپنے بندوں میں سے وہ جسکو چاہتا ہی بخشدیتا ہی اور عاقبت پرہیزگاروں کے حصہ میں ہو۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت شریف اول ان مدعیان نبوت کو بذریعہ پند و نصیحت سمجھایا۔ متعدد مراسلات بھیجے لیکن کچھہ اثر نہوا مرتدون نے مسلمانوں پر دست درازی و تعدی شروع کی اور جمعیت فراہم کرکے مقابلہ و مقاتلہ کا سلسلہ جاری کردیا جب نوبت اسقدر حد تک پہنچی تو آپنے اُنکے دفعیہ کے واسطے عمال کے نام احکام جاری فرمائے اور یہ اہتمام مرض وفات کی شدت میں بھی برابر جاری رہا۔ اسود عنسی کا خاتمہ آپ کی حیات مبارک میں ہوگیا اور آپنے یہ خبر مسلمانوں کو سنادی۔ اس بیان سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جھوٹے مدعیان نبوت اور اُنکے پیرؤوں کی کیا کیفیت تھی۔

جسوقت آپکی رحلت کی خبر شائع ہوئی ان قبائل میں اور اُنکے اثر سے دوسرے جدید الاسلام قبیلوں میں اضطراب عظیم پیدا ہوا اور تمام ملک یمن میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ مسلمان عامل ہٹا دیئے گئے اور مرتدین نے دخل کرلیا۔ اسود عنسی اگرچہ مرچکا تھا لیکن اُس کی نبوت مختلف حصہائے ملک میں منتشر تھی اب وہ پھر جمع ہوکر ایک لشکر عظیم بنگئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ نواح مدینہ میں ارتداد و سرکشی پیدا ہوئی۔ خلاصہ یہ

مدینے کے باہر صرف دو قبیلے ایسے تھے جو تمام و کمال اسلام پر قائم رہے یعنی قریش و ثقیف باقی تمام قبائل میں کم و بیش ارتداد کا فساد پھیلا بعضے کل کے کل مرتد ہو گئے۔ بعض میں کچھ لوگ ان سے مرتد ہوگئے۔ ارتداد کا زور زیادہ تر دو طرف تھا ایک یمن میں۔ دوسرے نواح مدینہ کے قبائل میں۔ اور یہ سب جدید الاسلام تھے معرکہ طلب طبائع نے اپنے عروج و سرداری کا حیلہ دعوی نبوت و ارتداد قرار دے لیا تھا۔ واقعات ذیل سے اس بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قبیلہ بنی عامر میں سردار عامر بن الطفیل تھا وہ علانیہ کہتا تھا کہ میں تمام عرب کی امارت کا متمنی ہوں ایک قریشی کا اتباع کس طرح کر سکتا ہوں قبیلہ غطفان قبیلہ بنی اسد کا حلیف تھا غطفانی کہتے تھے کہ ہم اپنے حلیف اسدیوں کے نبی طلیحہ کو چھوڑ کر رسول قریشی کی پیروی کیوں کریں قریش کے نبی نے وفات پائی۔ اسد کا نبی زندہ ہے قبیلہ عبدالقیس میں مرتدوں کا نشان بردار عمرو نعمان بن منذر کا پوتا تھا۔ یہ نعمان بن منذر اس خاندان حمیر کی اخیر یادگار تھا جسنے صدیوں تک یمن میں حکومت کی تھی دعوی نبوت کی انتہا سے ارزانی یہ تھی کہ سجاح نامی ایک عورت بھی مدعی نبوت بن بیٹھی۔ اسنے یمن میں نبی ہونیکا اعلان کیا۔ قبیلہ بنی تغلب (جو نصرانی تھا) اپنا مذہب چھوڑ کر اس کی امت میں شامل ہوا مدعیان نبوت کے احکام بھی عجیب تھے طلیحہ کی نکتہ سنجی ملاحظہ ہو نماز کے ارکان میں سے سجدہ موقوف کر دیا مسیلمہ کے حکم سے شراب اور زنا مباح و حلال قرار پایا۔ جب اسنے سجاح مدعیہ نبوت سے نکاح کیا تو اسکے مہر میں دو وقت کی نماز معاف کر دی ایک صبح کی دوسری عشا کی۔ وجہ یہ ظاہر کی کہ اسمیں لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں یہ بات

ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ باوجود اسقدر فتنہ و فساد اور ہنگامے کے ایک شخص بھی ایسا مرتد نہیں ہوا جو قدیم الاسلام اور مذہب میں راسخ ہو چکا تھا۔ عموماً جدید الاسلام قبیلے مرتد ہوئے اُن میں بھی اکثر عوام فتنہ جو تھے چنانچہ طلیحہ کے نشان کے نیچے زیادہ قبیلہ طے اور اسد کے عوام الناس کا ہجوم تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فراست ایمانی سے آغاز ہی میں اس ہنگامے کی قوت کا پورا اندازہ فرما لیا تھا۔ چنانچہ یمن سے جب ابتداءً قاصد آئے تو خط دیکھکر اُنسے فرمایا ابھی صبر کرو اسکے بعد جو خط آئیگے ان میں اس سے بھی زیادہ سخت خبریں ہونگی۔ اور ہوا بھی یہی۔ اسکے بعد ہی ہر طرف سے اُمرا مسلمین کے مراسلے آنے لگے جن میں قبائل کے ارتداد اور اُن مظالم کی اطلاع درج تھی جو مرتدوں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر ہوتے تھے۔ نواح مدینہ کے قبائل نے مرتد ہو کر بالاتفاق مدینہ کا رُخ کیا۔ بنی اسد سمیرا[۱] میں۔ فرازہ اور غطفان کا ایک حصہ جنوب مدینہ میں۔ ثعلبہ و مُرّہ و عبس کا ایک حصہ اَبرق[۲] میں دوسرا ذوالقصہ[۳] میں خیمہ زن ہوا۔ اُسی زمانہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ اس راستہ سے مدینہ پہنچے اور بیان کیا کہ دبا[۴] سے لیکر مدینہ تک برابر مُرتد فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔ ان قبائل نے اسطرح مدینہ کو گھیر کر اپنے قاصد حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں بھیجے۔ یہ آگ کسقدر جلد بھڑکی تھی اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہی کہ بیعت خلافت کے دسویں روز یہ ایلچی مدینہ پہنچ گئے تھے۔ مدینہ پہنچکر قاصد مختلف عمائد کے یہاں مقیم ہوئے عم رسول حضرت عباسؓ کی یہ خصوصیت تھی کہ اُنہوں نے

۱؎ سمیرا مکہ کے راستہ میں ایک منزل ۱۲ ۲؎ اَبرق بنی ذبیان کا وطن ۱۲

۳؎ ذوالقصہ مدینہ سے ایک منزل بجانب نجد ۱۲ ۴؎ دبا ایک قدیم مشہور شہر یمن کا قریب ربذہ ۱۲

کسی قاصد کو اپنے مکان پر نہیں ٹھرنے دیا۔ ایلچیوں نے اول اُن مسلمانوں سے گفتگو کی جن کے یہاں ٹھرے تھے اُس کے بعد متفق ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور بالاتفاق یہ پیام پہنچایا کہ ہم سب نماز پڑہینگے البتہ زکوۃ معاف کردو۔ اُنکا پیام سنکر حضرت صدیق اکبر نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا سب نے یہ صلاح دی کہ نرمی مناسب وقت ہی حضرت عمر بھی اس رائے میں شریک تھے۔ انکے یہ الفاظ ہیں۔

یَا خَلِیفَۃَ رَسُولِ اللہِ تَأَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ	اے خلیفہ رسول اللہ ان لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا برتاو کیجیے

حضرت ابوبکر نے یہ مشورہ سنکر حضرت عمر کو مخاطب کرکے فرمایا:

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِیَّۃِ خَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ اِنَّهٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّینُ اَیَنْقُصُ وَاَنَا حَیٌّ ۔ وَاللہِ لَاُجَاهِدَنَّهُمْ وَلَوْ مَنَعُوْنِی عِقَالًا۔	یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے مسلمان ہو کر ذلیل و خوار بنگئے۔ وحی کا سلسلہ قطع ہوگیا دین کمال کو پہنچ چکا کیا میری زندگی میں اُسکی قطع و برید کیجائیگی۔ واللہ اگر (فرض زکوۃ میں سے) ایک رسّی کا ٹکڑا دینے سے بھی لوگ انکار کرینگے تو میں جہاد کا حکم دونگا۔

فاروق اعظم کا مقولہ ہی کہ اس کلام کو سنکر مجھپر منکشف ہوگیا کہ اللہ نے ابوبکر کا سینہ جہاد کے واسطے کشادہ کردیا ہی۔ صحابہ کرام کے مشورہ کے بعد حضرت صدیق نے جواب مذکور الصدر سناکر ایلچیوں کو ناکام واپس کردیا۔ اسی عرصے میں جلیش اُسامہ

مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ قاصد واپس گئے تو اُنھوں نے مسلمانوں کی بے سروسامانی اور قلت بیان کی۔ ادھر قاصدوں کو رخصت کرکے حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ شہر کے ناکوں پر حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو مقرر کیا۔ عام اہل مدینہ کو جمع کرکے حکم سُنایا کہ عرب میں ارتداد پھیلا ہوا ہے۔ قاصد تمھاری حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں دشمن کے بعض حصے تم سے صرف ایک منزل کے فاصلہ پر ہیں معلوم نہیں تم پر کسوقت حملہ کردیں انکو امید تھی کہ ہم اُنکی درخواست منظور کرینگے مگر وہ رد کردی گئی لہذا تمکو ہر وقت مسلح مسجد نبوی میں حاضر رہنا چاہئے۔ اس حکم کے مطابق تمام اہل مدینہ مستعد رہتے تھے۔ قاصدوں کی واپسی کے تیسرے دن دشمنوں نے مدینہ پر حملہ کیا۔ ایک حصہ فوج اُنکی مدد کے واسطے ذی حُسی[1] میں تیار تھا۔ جب دشمن کی جمعیت مدینہ کے ناکوں پر پہنچی تو محافظ ہوشیار تھے اُنھوں نے حملہ روک کر امیرالمومنین کے پاس اطلاع بھیجی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہلا بھیجا کہ تم اپنی اپنی جگہ قائم رہو میں فوراً موقع پر آتا ہوں۔ چنانچہ اہل مدینہ کی جمعیت لیکر موقع پر پہنچے اور دشمنوں پر حملہ کیا مسلمانوں کے حملے سے کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ذی حسی تک تعاقب کیا۔ وہاں کی فوج نے پہلے سے بہت سی مشکوں میں ہوا بھر رکھی تھی جیسے ہی مسلمان شترسوار پہنچے وہ مشکیں سامنے لڑکا دیں اونٹ قدرتاً اس سے بہت ڈرتا ہی مسلمانوں کے اونٹ ڈر کر پیچھے کو بھاگے اور مدینہ پہنچکر دم لیا۔ مرتدوں نے خیال کیا کہ مسلمان بھاگ گئے اس سے اُنکی

---

[1] ذی حسی۔

جدائت بڑھی ذی حسی کی پشت پر جو فوج بمقام ذوالقصہ تھی اُسکو بھی آگے بلا لیا۔ اور دشمن کی کل جمعیت ذی حسی میں مدینہ کے قریب جمع ہوگئی حضرت ابوبکرؓ نے اُسی روز دوسرے حملے کا انتظام کیا اور شباشب کوچ کر کے صبح ہوتے ہوتے مرتدوں کے لشکر پر چھاپہ جا مارا۔ طلوع آفتاب کے وقت دشمن کو ہزیمت ہوئی سردار لشکر حبال (جو طلیحہ مدعی نبوت کا قوتِ بازو تھا) مارا گیا حضرت ابوبکرؓ نے ذوالقصہ تک تعاقب کیا وہاں حضرت نعمان بن مقرن کو معہ ایک حصہ فوج کے متعین کیا اور خود مدینہ کو واپس چلے آئے۔ اس شکست سے کفار کا جوش زیادہ بڑھا۔ اور تمام قبائل نے اپنے اپنے یہاں کے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیکر قتل کرنا شروع کیا۔ عضا کاٹتے تھے۔ آگ میں زندہ جلاتے تھے۔ اول قبیلۂ ذبیان و عبس نے یہ سفاکی شروع کی پھر اُنکے قرب و جوار کے تمام قبیلوں میں پھیل گئی۔ جب ان مظالم کی اطلاع حضرت ابوبکر کو ہوئی تو اُنھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ مسلمانوں کے مصائب کا بدلہ لیا جائیگا۔ ذوالقصہ کی فتح کا مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ تمام قبائل میں جسقدر مسلمان تھے وہ اسلام پر زیادہ شدت سے قائم ہوگئے اور اُن میں تازہ جوش و عزم پیدا ہوگیا بعض قبائل نے زکوٰۃ کا روپیہ بھی مدینہ بھیجدیا۔ غرض مختلف تدابیر سے حضرت صدیق اکبرؓ مدینہ کی حفاظت فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت اُسامہ کا لشکر مدینہ واپس آگیا۔ اُنکو حفاظت مدینہ پر مامور کر کے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اب تم آرام لو ہم دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں۔ بقیہ فوج فراہم ہوئی اور اُسکے امیر خود خلیفۂ رسول اللہ بنے۔ مسلمانوں نے یہ دیکھکر کہا کہ آپ خود مہم پر نہ جائیں اگر آپکو صدمہ پہنچگیا تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہوجائیگا اور کسیکو سردار مقرر کر کے

بھیجے وہ کام آئے تو دوسرا مقرر ہو مگر صلح پذیرا نہ ہوئی۔ اور حضرت ابو بکر لشکر کو ہمراہ لیکر ذوالقصہ ہوتے ہوئے پرگنہ ربذہ[1] کے ابرق نامی مقام پر پہنچے وہاں دشمن سے مقابلہ ہوا اہل ایمان فتحیاب ہوئے۔ فرمان خلافت کے مطابق ابرق مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا گیا۔ لشکر اسامہ آرام لے چکا تھا زکوٰۃ کا روپیہ زیادہ مقدار میں وصول ہونے لگا تھا اسیلے حضرت ابو بکر نے تہیہ فرمایا کہ مرتدوں کا استیصال پوری طرح کر دیا جاوے۔ بعد فتح نواح ابرق میں قیام کر کے تمام مرتد قبائل کے مقابلہ کا انتظام فرمایا۔ گیارہ فوجیں مامور کی گئیں مختلف حصص ملک میں جاکر دشمنان اسلام کا مقابلہ کریں اس زمانہ میں ملازمت کا سلسلہ نہ تھا مسلمانوں کے تمام کام محض رضاء الہی کے واسطے ہوتے تھے فوج کا انتظام بھی رضا کارانہ تھا۔ اجتماع لشکر کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص امیر لشکر مقرر ہو کر مہم پر مامور ہوتا تھا اور اس کی ہمراہی کے واسطے قبائل نامزد ہو کر احکام جاری کیے جاتے تھے۔ زمانہ رسالت میں آپ اپنے دست مبارک سے اور دور خلافت میں خلفا اپنے ہاتھ سے نشان بنا کر سردار کو دیتے۔ اس نشان کو لیکر امیر براہ پر خیمہ زن ہوتا اور میعاد معین کے اندر سپاہ نشان کے نیچے آکر فراہم ہوجاتی۔ یا یہ ہوتا کہ امیر نشان لیکر نامزد شدہ قبائل کے قریب سے روانہ ہوتا اور ہر قبیلہ کے فوجی جوان اسکے ساتھ ہوتے جاتے۔ ہتھیار سواری وغیرہ کی مدد خزانہ سے کیجاتی نیز سپاہی اپنے ہتھیار خود ہمراہ لاتے اس زمانہ میں عرب کا بچہ بچہ ہتھیاروں سے آراستہ تھا۔ اسی طرح بمقام ذوالقصہ حضرت ابو بکر نے گیارہ نشان تیار کر کے امراء لشکر کو دئیے اور ان کی مدد کے واسطے قبائل مقرر فرمائے۔ ہر دار

---

[1] ربذہ ایک گاؤں مدینہ سے ۳ میل۔

کو اس کی مہم اور طرز عمل کی بابتہ پوری ہدایتیں دی گئی تھیں یعنی وہ کس دشمن کا مقابلہ کرے اس سے فارغ ہو کر کس طرف بڑھے کونسا لشکر کس کی مدد کرے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت خالد طلیحہ کے مقابلہ پر مامور ہوئے۔ حضرت عکرمہ مسیلمہ کے مقابلہ۔ اسود عنسی کی مہم پر مہاجر بن ابی امیہ۔ وغیرہ وغیرہ خاص ہدایات کے علاوہ بعض عام احکام بھی تھے جو کل امرائے کے واسطے دستور العمل تھے۔ ہر فوج کے ساتھ ایک فرمان خلافت تھا جس میں مخالفین سے خطاب کیا گیا تھا اور انکو مخالفت سے باز آنے اور مسائل اسلام کی جانب رجوع کرنے کی ہدایت و ترغیب تھی۔ اس میں یہ بھی درج تھا کہ فلاں سردار مہاجرین والنصار و تابعین کا لشکر لیکر تمہارے مقابلہ پر آتا ہے اسکو حکم ہے کہ اول کسی سے وہ قتال و جنگ نہ کرے بلکہ دعوت اسلام دے جو قبول کرے اسکو امن بخشی جائے جو عناد پر قائم رہیں ان سے لڑے اور پوری شدت کیساتھ لڑے۔ اس فرمان کی بابتہ حکم تھا کہ لشکر کے آگے آگے قاصد لیکر جائیں اور لشکر پہنچنے سے پہلے مجمع عام میں پڑھکر سنائیں۔ ذریعہ اجتماع اذان ہو جو لوگ اذان سنکر فراہم ہو جائیں انکو احکام خلافت سنائے جائیں جو جمع نہوں انسے مقابلہ کیا جائے۔ علاوہ فرمان بالا کے ایک اور مراسلہ ہر لشکر کے ساتھ تھا جس میں سردار لشکر کے واسطے احکام تھے۔ تمام مہمات کا بیان باعث طول ہوگا اسلیے صرف دو مہموں کا ذکر کیا جاتا ہے ایک میں نمونہ آشتی ہے دوسرے میں نمونہ رزم۔

مہم قبیلہ طی[1] نمونہ آشتی

حضرت خالد بن ولید کا تقرر طلیحہ مدعی نبوت کے مقابلہ پر ہوا تھا۔ مدعی مذکور کے ساتھ عوام قبیلہ طے کا بڑا مجمع تھا اسلیے حضرت ابو بکر نے حضرت

[1] مشہور حاتم طائی کا قبیلہ

عدی بن حاتم کو اول روانہ کیا کہ اپنے قبیلہ کو فہمائش کر کے تباہی سے بچائیں۔ آگے آگے حضرت عدی اور اُنکے پیچھے لشکر اسلام روانہ ہوا۔ حضرت عدی نے منزل مقصود پر پہنچکر اپنے قبیلہ کو جمع کیا اور فہمائش کی لیکن بے سود۔ دوبارہ پھر سمجھایا اس مرتبہ نصیحت کارگر ہوئی وعدہ اطاعت کیساتھ اُنھوں نے یہ درخواست کی کہ ہمکو اتنی مہلت دیجائے کہ اپنے اہل وعیال کو طلیحہ کے لشکر سے نکال لائیں ورنہ ہماری اطاعت کی اُنپر مصیبت پڑیگی ہماری واپسی تک خالد کا لشکر روکدیا جائے حضرت عدی نے یہ پیام حضرت خالد کو پہنچایا۔ تین دن کی مہلت منظور ہوئی۔ اس عرصہ میں قبیلہ طے کے آدمی اپنے اہل وعیال کو لشکر طلیحہ سے ترکیب کے ساتھ لے آئے اور تجدید اسلام کے بعد حضرت خالد کے پاس حاضر ہوگئے۔ اس طرح یہ مہم حُسنِ خوبی کے ساتھ بغیر خونریزی کے طے ہوگئی۔ مہم طے کے ختم ہونیکے بعد حضرت خالد نے قبیلہ جدیلہ کی طرف رُخ کیا۔ حضرت عدی نے کہا کہ قبیلہ طے مثل ایک پرندہ کے ہے جسکا ایک بازو جدیلہ ہے مجھکو اجازت دو کہ اُنکو جاکر فہمائش کروں۔ اجازت ملی اور حضرت عدی نے کوشش بلیغ کیساتھ سمجھایا۔ نتیجہ حسب مراد نکلا۔ جب حضرت خالد اس مہم سے فارغ ہوکر آگے بڑھے تو قبیلہ طے کے ایکہزار سوار اُنکے ہمرکاب نصرت اسلام کے لیے کمربستہ تھے۔ مورخین نے عدی کی مساعی کی تحسین ان الفاظ میں کی ہے:-

وکان خیر مولود ولد فی ارض طی واعظم برکۃ علیھم — وہ قبیلہ طے کے بہترین فرزند تھے جن کی وجہ سے برکت عظیم نازل ہوئی۔

طلیحہ نے حضرت خالد کے مقابلہ پر شکست کھائی اور شام کو بھاگ گیا۔ وہاں پہنچکر دوبارہ اسلام لایا۔ ایک مرتبہ خلافت صدیقی کے زمانہ میں طلیحہ ادائے عمرہ کو مکہ جاتا تھا جب مدینہ کے کنارہ پر پہنچا تو کسی نے جھپٹ کر حضرت ابوبکر کو اطلاع کی کہ طلیحہ جارہا ہے۔ سنکر فرمایا اب وہ داخل اسلام

ہو چکا اس سے کچھ تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ جانے دو۔ خلافت فاروقی میں طلیحہ نے بہ اکرہ بیعت کی

مسیلمہ کذاب معرکہ یمامہ

اگرچہ مرتدین کے تمام معرکے نہایت سخت اور حوصلہ فرسا تھے مگر مسیلمہ کذاب کا معرکہ شدت و قوت میں سب سے بڑھکر تھا۔ مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا اور وطن یمامہ واقع ملک نجد۔ اسکا یہ دعوی تھا کہ مجھکو رسول اللہ نے شریک رسالت کر لیا ہے اس دعوے کی تائید کے لیے نہار نامی ایک شخص اسکے ہاتھ آگیا۔ نہار نے مدینہ میں شرف حضوری سے مشرف ہو کر قرآن و مسائل دین کی تعلیم حاصل کی تھی جب مسائل ضروری حاصل کر چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا کہ یمن جاکر تائید اسلام اور مسیلمہ کی تردید کی خدمت انجام دے بدبخت یمن پہنچکر مسیلمہ سے ملگیا۔ اور بالاعلان شہادت دی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میں نے خود سنا ہے کہ مسیلمہ شریک نبوت ہے اس سے ہزاروں آدمی گمراہ ہو گئے اذان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ جب مسیلمہ تکبیر کے وقت شریک نماز ہوتا تو موذن سے کہتا اشہد ان محمداً رسول اللہ خوب زور سے کہو مسجع مہمل عبارتیں لوگونکو سناتا اور کہتا یہ وحی ہے۔ شراب و زنا کی حلت کا اعلان کر دیا تھا۔ ایسے اسباب سے مسیلمہ کا زور روز بروز ترقی کرتا رہا جب مدعیہ نبوت سجاح نے مسیلمہ سے نکاح کر لیا تو اسکے لشکر سے مسیلمہ کو مزید شوکت حاصل ہوئی بارگاہ خلافت سے دو لشکر مسیلمہ کے مقابلہ پر نامزد ہوئے تھے ایک حضرت عکرمہ کی زیر امارت دوسرا حضرت شرحبیل بن حسنہ کی ماتحتی میں۔ ان دونو لشکروں نے یکے بعد دیگرے شکستیں کھائیں حضرت ابوبکر کو جب ان ہزیمتوں کی اطلاع پہنچی تو دونو شکست خوردہ امیروں کو دوسری مہموں پر مقرر کیا اور مسیلمہ کے مقابلہ کا حضرت خالد کو (جو مہم طلیحہ سے کامیابی کیساتھ فارغ ہو چکے تھے) حکم دیا۔ انکی کمک کے واسطے تازہ دم جمعیت روانہ کی اس جمعیت میں انصار

کے سردار حضرت ثابت بن قیس اور مہاجرین کے امیر حضرت زید بن خطاب (فاروق اعظم کے بھائی) تھے۔ جب حضرت خالد یمامہ پہنچے ہیں تو مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک ترقی کر چکی تھی۔ مسیلمہ نے حضرت خالد کی آمد کی خبر سنی تو آگے بڑھکر عقربا نامی مقام پر پڑاو کیا۔ کیا میدان ہیں حق باطل کا مقابلہ ہوا جب دونو جانب صفوف جنگ آراستہ ہولیں تو سب سے اول نہار میدان ہیں آکر مبارز طلب ہوا حضرت زید بن خطاب اسکے مقابلہ پر گئے۔ بعد مقابلہ نہار مارا گیا۔ اسکے بعد عام لڑائی[1] شروع ہوئی رن اس زور کا پڑا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور جمعیت پریشان ہوگئی مسیلمہ کے لشکر نے تعاقب کیا اور دباتا ہوا خود حضرت خالد کے خیمہ تک پہنچگیا حضرت خالد کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ ام تمیم حضرت خالد کی بی بی خیمہ کے اندر تھیں۔ کفار نے انکو قتل کرنا چاہا مجاعہ[2] نے روکا اور کہا (نعمت الحرۃ ھذہ) یہ بہت اچھی آزاد بی بی ہیں۔ عورتوں کو کیا مارتے ہو مردوں کا مقابلہ کرو۔ یہ سنکر مسیلمہ کے سپاہی خیمہ کی طنابیں کاٹکر ہٹ گئے اس نازک اور حوصلہ فرسا موقع پر مسلمان امراء لشکر نے اپنی شکست خوردہ فوج کی جمعیت قایم کرنے کی کوشش جس قوت ایمانی کیا تھی وہ قیامت تک صفحات تاریخ پر یادگار رہیگی۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے جانیں[؟] اسلام پر قربان کر کے فوج کو غیرت دلائی اور آخر کار کامیاب ہوے۔ حضرت قیس بن ثابت نے مفرورین کو مخاطب کر کے کہا۔

---

[1] مورخ طبری نے اس لڑائی کی بابت لکھا ہے لم یلق المسلمون حربا مثلھا قط مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا۔

[2] مجاعہ کفار کا سردار حضرت خالد کی قید میں تھا۔ اسکی آسایش کی نگرانی ام تمیم کے سپرد تھی۔ حسن سلوک کا اثر تھا جو مجاعہ نے کہا۔

بِئْسَمَا عَوَّدْتُمْ اَنْفُسَكُمْ یَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْكَ مِمَّا یَعْبُدُ ھٰؤُلَاءِ (یَعْنِیْ اَھْلَ الْیَمَامَةِ) وَاَبْرَأُ اِلَیْكَ مِمَّا یَصْنَعُ ھٰؤُلَاءِ (یَعْنِیْ الْمُسْلِمِیْنَ)۔ ھٰکَذَا عَنِّیْ حَتّٰی اُرِیَکُمُ الْجِلَاءَ۔	اے گروہ اہل اسلام تمنے اپنے نفوس کو بری عادت سکھائی اے اللہ میں تیرے سامنے انکے (یعنی اہل یامہ کے) معبود سے اور انکے (یعنی مسلمانوں کے) اس حرکت سے جو اسوقت کررہے ہیں اظہار نفرت کرتا ہوں۔ مسلمانو دیکھو ہم یوں کیا کرتے ہیں۔

یہ کہکر حملہ کیا ایک دشمن کی ضرب سے انکا پانوں کٹ گیا وہی کٹا ہوا پاؤں لیکر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کا کام تمام کردیا خود بھی شہید ہو گئے۔ مسلمان ہٹتے ہٹتے جب اپنے خیموں سے بھی پیچھے ہٹ گئے تو حضرت زید بن خطاب نے یہ کہکر انکو روکا۔

لَا تَحُوْزُ بَعْدَ الرِّحَالِ وَاللّٰهِ لَا اَتَکَلَّمُ الْیَوْمَ حَتّٰی اَھْزِمَھُمْ اَوْ اَلْقَی اللّٰهَ فَاُکَلِّمَهٗ بِحُجَّتِیْ غُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَعَضُّوْا عَلٰی اَضْرَاسِکُمْ وَاضْرِبُوْا فِیْ عَدُوِّکُمْ وَامْضُوْا قُدُمًا۔ یَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنْتُمْ حِزْبُ اللّٰهِ وَھُمْ اَحْزَابُ الشَّیْطَانِ وَالْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَحْزَابِهٖ۔ اَرُوْنِیْ کَمَا اُرِیْکُمْ فَاصْنَعُوْا کَمَا اَصْنَعُ۔	خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے واللہ آج میں اسوقت تک کلام نہیں کرونگا کہ یا دشمن کو شکست دوں اور یا خدا کے سامنے پہنچکر اپنی معذرت پیش کروں۔ اے لوگو مصائب برداشت کرو ڈھالیں تھام لو اور دشمن پر جا پڑو اور قدم بڑھاؤ۔ واے اہل اسلام کے گروہ تم خدا کی جمعیت ہو تمہارے دشمن شیطانی لشکر غلبہ خدا اسکے رسول اور اسکے انصار کے واسطے ہے دیکھو میں کیا کرتا ہوں وہی تم بھی کرو

یہ کہکر شمشیر بکف کفار پر حملہ کیا اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔ حضرت ابو حذیفہ نے للکار کر کہا یا اہل القرآن زینوا القرآن بالفعال اے قرآن والو قرآن کی زینت عمل سے بڑھاؤ۔ یہ کہکر دشمن پر حملہ کیا اور شہید ہوئے۔ حضرت زید بن خطاب کے بعد حضرت برا بن مالک (حضرت انس خادم رسول کے بھائی) آگے بڑھے اُنکی عادت عجیب تھی جب میدان جنگ کا عزم کرتے بدن پر لرزہ ہوتا آدمی اُنکو دبا لیتے جب یہ حالت گذر لیتی تو میدان جنگ میں آکر شیر کیطرح بھرتے۔ اُس روز بھی یہی ہوا۔ مسلمانوں کی شکست دیکھکر اُنکو جوش آیا اور لرزہ سے فارغ ہو کر میدان میں پہنچکر للکارے۔

اَینَ یَا مَعشَرَ المُسلِمِینَ اَنَا البَرَاءُ — اے گروہ مسلمین۔ کدہر کا ارادہ کیا میں برار

بنُ مَالِك هَلُمُّ اِلَیَّ — بن مالک ہوں میری طرف آؤ۔

ان ترغیبوں اور شہادتوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے میدان کی طرف پلٹ کر تازہ جوش کیساتھ پھر حملہ کیا۔ اس حملے سے دشمن کے قدم ڈگمگا گئے اور اُس مقام تک ہٹ گیا جہاں مسیلمہ کا مشہور سردار محکم بن الطفیل اپنی قوم کو لیے کھڑا تھا۔ اُسنے للکار کر اپنے لشکر کو غیرت دلائی اور مسلمانوں پر حملہ کیا عین اسی حالت میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی شصت سے تیر قضا چھوٹا جسنے محکم کی گردن میں لگ کر کام تمام کردیا۔ اس سے مسلمانوں کی ہمت اور زیادہ بڑھی اور زور سے حملہ کیا اور اعدا کو حدیقہ تک ہٹا لے گئے۔ یہ مقام چاردیواری سے محصور تھا اور اسکے وسط میں مسیلمہ قلب لشکر میں قدم جمائے کھڑا تھا۔ دشمنوں نے حدیقہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا حضرت برا بن مالک نے کہا کہ مجھکو اُٹھا کر اندر پھینکدو۔ مگر کسی نے اس کی جرأت نہ کی۔ آخر اُنھوں نے قسم دلائی مجبور ہوکر لوگوں نے اُنکو اُٹھا کر دیوار پر پہنچا دیا۔

وہ نیچے کود سے اور جانبازی کرکے دروازہ کھول دیا دروازہ کھلنے پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا مگر مسیلمہ نے جگہ سے جنبش نہیں کی۔ یہ دیکھکر حضرت خالد نے اپنے لشکر کو دوسری ترتیب سے قایم کیا۔ اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہوکر اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے تاکہ ہم دیکھیں کہ ہماری کمزوری کس گروہ کی وجہ سے ہے۔ اس حکم پر ہر قبیلہ سمٹ کر اپنے نشان کے نیچے آگیا اور نہایت بے جگری کیساتھ دوبارہ حملے شروع ہوے اب لڑائی بیحد شدید ہوئی کہ پہلے سے کے گرد ہو گئے سب سے زیادہ نقصان گروہ مہاجرین و انصار کو پہنچا۔ ان حملوں پر بھی مسیلمہ ثابت قدم رہا وہ وسط لشکر میں کھڑا رہا ہوا تھا۔ حضرت خالد نے اس حالت کو سمجھا اور فیصلہ کیا کہ جبتک مسیلمہ کا خاتمہ نہوگا لڑائی ختم نہوگی۔ یہ خیال کر کے خود صف سے نکلے اور حریف مقابل طلب کیا۔ اُس شمشیر برہنہ کے سامنے جو آیا مارا گیا۔ آخر صفوں کو چیرتے اور مقابلہ کرنیوالونکو کاٹتے ہوئے مسیلمہ تک جا پہنچے اور اُس سے گفتگو کر کے حملہ کیا۔ حضرت خالد کے ہاتھ سے مسیلمہ کے قدم ڈگمگائے اور اُسکے لشکر میں فی الجملہ تزلزل پیدا ہوا یہ دیکھکر سپہ سالار اسلام نے للکار کر کہا مسلمانو ثابت قدم رہو ایک مردانہ ہلہ اور دشمن کو مار لیا اس للکار پر جو حملہ حق پرستوں نے کیا وہ اتنا زبردست تھا کہ مسیلمہ کا لشکر تاب نہ لا سکا قدم اُکھڑ گئے اور میدان سے بھاگنے لگا جب اہل ارتداد کو ہزیمت ہوئی تو لوگوں نے مسیلمہ سے کہا کہ آخر آسمانی مدد کے وعدوں کا کیا حشر ہوا اُسنے جواب دیا کہ اپنا ننگ و ناموس بچا سکتے ہو تو بچالو۔ اسی حالت میں وحشی (قاتل حضرت حمزہ) نے اپنا حربہ پھینککر مسیلمہ کے مارا جس صدمے سے وہ گرا۔ گرا تو ایک انصاری نوجوان نے سر کاٹ لیا دشمن کی فوج میں شور پڑ گیا

لے مسیلمہ کے باطل پرست ہونیکی یہ بین دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ ننگ و ناموس کی غیرت دلاکر فوج کو لڑاتا تھا اگر حق پرست ہوتا حق کا واسطہ دیتا۔

کہ مسیلمہ کو ایک حبشی نے مار ڈالا۔ یہ سنکر اہل باطل کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور بے تحاشا بھاگے لشکر اسلام مظفر و منصور رہوا۔ مورخ طبری نے لکھا ہی کہ حدیقہ کے قریب جو اہیں قریش ہزار مرتد مارے گئے اسلیے اُسکا نام حدیقۃ الموت مشہور ہی۔ مسیلمہ کے قتل کی خبر سنکر حضرت خالد اُس مقام پر آئے جہاں وہ مارا گیا تھا اور لاش تلاش کی مجاعہ پا بجولان ساتھ تھا اُسنے پہچانکر بتایا کوتہ قد زرد رو لانبی ناک کا آدمی تھا۔ اس معرکہ میں مدینہ کے مہاجرین و انصار تین سو اور بیرون مدینہ کے تین سو شہید ہوئے باقی مسلمان انکے علاوہ۔ بعد فتح حضرت خالد نے مدینہ کو مژدہ فتح بھیجا قاصد کیساتھ بنی حنیفہ کا وفد بھی تھا۔ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو حضرت ابو بکر نے اُنسے کہا افسوس تمہارے حال پر تم کس بال میں مبتلا ہو گئے۔ شرمندگی سے جواب دیا آپنے جو کچھ سنا سب سچ ہی۔ پوچھا آخر اُس کی تعلیم کیا تھی۔ کہا اُس کی وحی کا نمونہ یہ ہی یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین۔ لنا نصف الارض ولقریش نصفہ ولکن قریشا قوم یعتدون۔ حضرت ابو بکر نے یہ کلام بلاغت نظام سنکر کہا۔

سُبحان اللہ ویحکم أھذا الکلام مما خرج من الّ ولا بر فأین یذھب بکم — سبحان اللہ تمہارے حال پر افسوس کیا یہی کلام الہی ہی یہ کلام تو شان ربانی نہیں رکھتا۔ تمکو کہاں کھینچ لیگیا

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اسیطرح ہر موقع پر جانبازی کے جوہر دکھائے نتیجہ یہ ہوا کہ باستثنائے بعض خفیف مہموں کے اہل ردۃ کے تمام معرکے سنہ ۱۱ھ میں ختم ہو گئے اور ۹ مہینے کے قلیل عرصہ میں وہ سیلاب فرو ہو گیا جو نواح مدینہ سے لیکر بحرین و عمان تک پھیلا ہوا تھا۔ فجزی اللہ ابا بکر وجنودہ عن المسلمین خیر الجزاء۔

لہ وحشی کا وطن حبش تھا ۱۲

مہم عراق

طوفان ارتداد کے فرو ہوجانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فوراً اپنی توجہ ان دو زبردست دشمنوں کی جانب مائل کی جو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے اسلام کی تباہی کی فکر میں تھے یعنی روم و فارس۔ خلیفہ رسول اللہ کو کسقدر اہتمام ان مہموں کا تھا واقعہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ حضرت صدیق مذکورہ بالا مہموں کے انتظام میں مصروف تھے۔ ایک صحابی نے اپنے قبیلہ کا کوئی معاملہ پیش کرنا چاہا۔ غصہ ہوکر جواب دیا کہ میں تو ان دو شیروں کے زیر کرنیکی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی جانب مائل کرنے کو سنہ ۶ھ کے آغاز میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے مراسلے سلاطین عالم کے نام جاری فرمائے تو ایک مراسلہ خسرو پرویز بادشاہ ایران کے پاس بھی روانہ فرمایا قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ تھے نامہ شریف حسب ذیل تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ	شروع خدا کے نام سے بڑا مہربان بخشنے والا ہے محمد رسول اللہ
اِلٰی کِسْرٰی عَظِیْمِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰی	کی طرف سے کسریٰ بادشاہ فارس کے نام اسکو سلام جو سیدھی
مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَاٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ	راہ پر چلے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور میں
رَسُوْلِہٖ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ	اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود سوا خدا کے نہیں ہے
وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ	وہ یگانہ ہے کوئی اسکا شریک نہیں اور محمد اس کا عبد رسول ہے
وَرَسُوْلُہٗ وَاَدْعُوْکَ بِدُعَاءِ اللّٰہِ	اور میں تجھکو خدا کا فرمان پہنچاتا ہوں اسلئے کہ میں تمام انسانوں
فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً لِاُنْذِرَ	کے پاس اسکا ایلچی ہوکر آیا ہوں میری رسالت کا مقصد
مَنْ کَانَ حَیًّا وَیَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی	یہ ہے کہ جنکے دل زندہ ہیں ان کو خدا سے ڈراؤں اور جو انکار پر
الْکَافِرِیْنَ فَاَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ اَبَیْتَ فَعَلَیْکَ	قائم رہیں ان پر حجت الٰہی تمام ہو تو اسلام لے سلامت رہیگا
اِثْمُ الْمَجُوْسِ عَلَیْکَ۔	اگر انکار کریگا مجوس کا گناہ تیری گردن پر رہیگا۔

خسرو نے فرمان مبارک پڑھکر پارہ پارہ کر دیا اور باذان صوبہ دار یمن کو لکھا کہ دو تیز رو آدمی بھیجو تاکہ حجاز میں جو شخص ہے اُس کو پکڑ کر یہاں لے آئیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ کو (جو اس کا منشی اور فارسی خط کتابت میں ماہر تھا) اور خرخرہ نامی ایرانی کو مدینہ بھیجا۔ اور ایک تحریر آپکے نام اس مضمون کی بھیجی کہ ان دو آدمیوں کے ساتھ خسرو کے پاس چلے جاؤ۔ قاصد براہ طائف مدینہ پہنچے۔ عرب میں اس سفارت کی بڑی شہرت ہوئی اور قریش اس خیال سے بہت خوش ہوئے کہ اب شہنشاہ ایران کی بدولت مسلمانوں کی مصیبت سے نجات ملجائیگی۔ خدمت مبارک میں حاضر ہوکر بابویہ نے سلسلہ کلام یوں شروع کیا۔ شاہنشاہ ملک الملوک کسریٰ کا شاہ یمن کو یہ حکم ہے کہ تمکو اُس کے پاس بھیجدے۔ میں بادشاہ یمن کا فرستادہ ہوں اگر تم میرے ساتھ چلو گے تو شاہ یمن تمھاری سفارش شاہنشاہ کے دربار میں کریگا جس سے تم کو نفع پہنچیگا اگر چلنے سے انکار کرو گے تو تم شاہ یمن کو جانتے ہو وہ تمکو اور تمھارے ملک کو برباد کر دیگا۔ ان قاصدوں کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے چہرے کی طرف بنگاہ نفرت دیکھا اور فرمایا افسوس تم پر تمنے یہ صورت کس کے حکم سے بنائی ہے۔ جواب دیا کہ اپنے پروردگار کسریٰ کے حکم سے آپنے فرمایا مگر میرے پروردگار کا مجھکو یہ حکم ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤں مونچھیں تراشوں۔ اچھا اب ٹھہرو کل میرے پاس آنا دوسرے روز طلب کر کے فرمایا کہ تمھارے کسریٰ کو اُس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں شب قتل کر دیا، جاؤ اور اپنے آقا کو خبر دو۔ اور کہدو کہ میرا دین اور میری حکومت عنقریب ملک کسریٰ میں پہنچتی ہے اور دنیا کے کناروں پر جاکر ٹھیریگی۔ یہ بھی کہدینا کہ اگر تم اسلام لے آؤگے تو تمھارا ملک تمھارا تخت چھوڑ دیا جائیگا۔ اور اپنی قوم پر حاکم رہوگے۔ یہ فرماکر خرخرہ کو ایک طلائی پیٹی (جو کسی بادشاہ نے بطور تحفہ آپکی خدمت میں بھیجی تھی عطا فرمائی اور رخصت

کردیا۔ باذان نے جب کلام مبارک سُنا تو کہا خدا کی قسم یہ بادشاہوں کا سا کلام نہیں ہے اس کا قائل نبی معلوم ہوتا ہے۔ چند روز کے بعد خسرو کے قتل اور شیرویہ کے تخت نشینی کی خبر باضابطہ یمن میں آگئی۔ شیرویہ نے یہ بھی لکھا کہ نبی عربی سے کچھ مزاحمت نہ کیجائے۔ آخر عہد نبوت میں باذان نے اسلام قبول کرلیا۔ اور جو ایرانی یمن میں تھے وہ بھی مسلمان ہوگئے خسرو پرویز کے قتل کے بعد ایران میں خانہ جنگی و بدنظمی کا دور دورہ رہا چند ہی سال کے عرصے میں بارہ تیرہ بادشاہ تخت نشین ہوئے جنمیں بعض عورتیں بھی تھیں۔ اس تغیر تبدل سے بدامنی و فساد کا دائرہ وسیع ہوگیا تھا۔ خلافت صدیقی میں ایران کی طرف سے حاکم عراق ہرمز تھا جس کو عربوں سے سخت عداوت تھی اور ہمیشہ برسر پرخاش رہتا اہل عرب بھی اُس سے نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ اُس کی سختی اور شرارت ضرب المثل ہوگئی تھی۔ "اَکْفَرُ مِنْ هُرْمُز وَاَخْبَثُ مِنْ هُرْمُز" اہل ایران کے مظالم سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی فکر حضرت ابوبکر کو ابتدا سے تھی لیکن کچھ روز ارتداد کے انسداد کی وجہ سے مہلت نملی۔ اسی عرصے میں حضرت مثنیٰ عراق سے مدینہ آئے اور حضرت صدیق سے کہا کہ اگر آپ مجھکو میرے قبیلے کی امارت پر مقرر کردیں تو میں مسلمانوں کو اُن اہل ایران کے شر سے محفوظ رکھ سکتا ہوں جو میری سرحد پر ہیں۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت مثنیٰ نے عراق واپس جاکر ایرانیوں سے آویزش شروع کی۔ اس طرح ایک حد تک اُدھر کی بے اعتدالیوں کا سدباب ہوگیا۔ آخرکار اہل ارتداد کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا یمامہ کی مہم سر ہوئی مسیلمہ کام آیا۔ حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کو طلب کرکے دس ہزار فوج کے ساتھ اہل فارس کے مقابلے پر مقرر کیا۔ علاوہ اس لشکر کے آٹھ ہزار سپاہ حضرت مثنیٰ وغیرہ اُن چار سرداروں کے پاس اور تھی جو پہلے سے مامور تھے۔ اس طرح جملہ اٹھارہ ہزار فوج مہم عراق پر متعین ہوئی۔ حضرت خالد کو یہ ہدایت تھی کہ عراق کے نشیبی حصے سے بڑھکر اول اُبلہ پر حملہ کریں

یہ مقام اُس موقع کے متصل تھا جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ اُس زمانے میں ہندوستان کا وہی بندر تھا اور اُس کے ذریعہ سے ہرمز سمندر میں ہندوؤں کے ساتھ لڑتا رہتا تھا دوسرے لشکر کو حکم تھا کہ عراق کے بالائی حصے سے حملہ آور ہو۔ اور دونوں لشکر فتح کرتے ہوئے حیرہ[1] پر آکر ملجائیں اور شہر مذکور پر متفقہ حملہ کریں۔ جو سردار لشکر وہاں اوّل پہونچے وہی تمام فوج کا امیر ہوگا۔ جب حیرہ فتح ہوجائے تو ایک حصہ لشکر وہاں قیام کرکے عقب کی حفاظت کرے۔ دوسرا حصہ خدا اور مسلمانوں کے دشمن اہل فارس کے دارالسلطنت مداین پر بڑھے۔ حضرت خالد کو یہ بھی ہدایت تھی کہ زراعت پیشہ رعایا کو پریشان نہونے دیں۔ امن کے ساتھ بدستور اراضی پر قابض رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں مقابلہ صرف اُن لوگوں سے کیا جائے جو میدان میں آکر لڑیں۔ اس ہدایت کا تمام مہمات عراق میں پورا لحاظ رکھا گیا۔

حضرت خالد کی مہم محرم سنہ ۱۲ ہجری میں روانہ ہوئی جب ہدایت اوّل ابلہ کی جانب رُخ کیا۔ یہ بندر ایران کے تمام بندرگاہوں سے زیادہ پُرشوکت و مستحکم تھا۔ ہرمز سلطنت فارس کے اوّل درجہ کے امرا میں تھا۔ جس کی علامت یہ تھی لاکھ روپیہ کی قیمت کا تاج پہنتا تھا۔ لڑائی سے پہلے حسب ذیل خط ہرمز کے نام بھیجا گیا:۔

اَمّا بعد اسلم تسلم او اعتقد	بعد حمد و ثنا اسلام لے آؤ سلامت رہو۔ ورنہ اپنی طرف سے
لنفسك وقومك الذمة واقرر	اور اپنی قوم کی طرف سے جزیہ کا اقرار کرکے مسلمانوں کی پناہ
بالجزیة والا فلا تلومن الا نفسك	میں آجاؤ۔ یہ بھی نہیں تو پھر تمہارا ہی قصور ہے میں وہ
فقد جئتك بقوم یحبون الموت کما	آدمی لیکر آیا ہوں جن کو موت ایسی پیاری ہے جیسے
تحبون الحیوٰة۔	تمکو زندگی۔

[1] حیرہ کوفہ سے تین منزل تھا خورنق عمارت مشہور اسی شہر میں تھی ۱۲

ہرمز نے یہ خط پڑھ کر کسریٰ اور ولیعہد کو اطلاع کی اور فراہمی لشکر کا اہتمام شروع کیا۔ چند ہی روز میں نہایت سرعت کے ساتھ "اُڑان کھٹو" (سرعان صحابہ) لیکر حضرت خالد کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ اول کواظم پہنچا۔ معلوم ہوا کہ مسلمان حفیر میں ہیں وہاں پہنچا تو سپہ سالار اسلام نے لشکر کا ظمہ میں لا ڈالا۔ ہرمز کو کاظمہ آنا پڑا۔ اس تگ و دو میں ایرانی لشکر خوب خستہ ہو گیا کاظمہ کے پڑاؤ پر آتش پرست فوج پانی کے کنارے مقیم ہوئی۔ مجوسیوں نے بھاگنے کے خوف سے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا حضرت خالد ہرمز کی آمد کی خبر سنکر مقابلے پر آئے لشکر اسلام کے اُترنیکے واسطے وہ جگہ باقی تھی جہاں پانی نہ تھا۔ مسلمانوں کو ملال ہوا تو حضرت خالد نے منادی کرا دی کہ یہیں اُترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کر لو۔ فلعمری لیصیرن الماء لاصبر الفریقین واکرم الجلدین۔ میری جان کی قسم پانی اس کا ہے جو دونو حریفوں میں زیادہ ثابت قدم اور جوانمرد ثابت ہو۔ یہ سنکر مسلمانوں نے وہیں پر سامان اُتار دیا۔ ادہر سامان اُتارا تھا کہ اُدہر حضرت خالد نے حملہ کا حکم دیا۔ میدان کارزار گرم ہونے پر ہرمز نے دھوکے سے چند آدمی کمین گاہ میں چھپا کر حضرت خالد کو اپنے مقابلہ پر طلب کیا۔ یہ جیسے پہونچے ویسے ہی آدمیوں نے نکلکر وار کیا۔۔

حضرت خالد نے انکا وار خالی دیا اور دلیرانہ ہرمز پر حملہ کرکے کام تمام کر دیا۔ ہرمز کے قتل کے بعد معرکہ جنگ میں اور زیادہ شدت ہوئی۔ بہت سے کشت و خون کے بعد ایران کے لشکر نے ہزیمت پائی۔ مسلمان مظفر و منصور ہوئے رات تک مفرورین کا تعاقب ہوتا رہا۔ زنجیریں میدان میں سے فراہم کی گئیں تو ایک شتر بار (تخمیناً ۱/۲ من) نکلیں اسی وجہ سے اس معرکہ کا نام ذات السلاسل ہے۔ مدینہ مژدہ فتح پہونچا تو حضرت ابوبکر نے ہرمز کا تاج حضرت خالد کو عطا فرمایا اسلام کا مسئلہ ہے کہ خاص خاص معرکہائے جنگ میں جو مسلمان اپنے حریف کو قتل کرے اُس کے بدن کا سامان وہی لے۔ مال غنیمت کے ساتھ ایک ہاتھی بھی مدینہ آیا اور خلیفہ کے حکم سے

شہر میں پھرایا گیا۔ بڑھیاں دیکھتیں اور حیرت سے کہتیں:۔

اَمِنْ خَلْقِ اللّٰہِ مَا اَرٰی — کیا جو ہمارے آنکھوں کے سامنے ہے خدا کی مخلوق ہے۔

گشت کے بعد عراق کو واپس بھیج دیا گیا۔ حیرہ کی جنگ کے بعد مذار کا معرکہ پیش آیا۔ یہ واقعہ پہلے سے زیادہ شدید تھا۔ کسریٰ کے حکم سے تازہ دم فوجیں مدائن سے آکر اس مہم میں شریک ہوئی تھیں مگر فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اسی لڑائی میں خواجہ حسن بصری کے والد حبیب گرفتار ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ یکے بعد دیگرے ولجہ۔ الیس۔ یوم المقر۔ حیرہ۔ عین التمر۔ دومۃ الجندل۔ انبار۔ حصید۔ مصیخ۔ ثنی۔ زمیل۔ فراض کے معرکے پیش رو سے زیادہ سخت تھے۔ عراق چونکہ سلطنت فارس کا مستقر تھا اور مدائن دار السلطنت اسی صوبہ میں (قریب بغداد) واقع۔ اس لئے اہل فارس نے نہایت جانبازی و دلیری سے مقابلے کئے لیکن حضرت خالد کی شمشیر براں کے سامنے ہر جگہ سر جھکانا پڑا۔ سپہ سالار اسلام نے اس سرعت و جلدی سے حملے کئے کہ دشمن کو دم لینے کی مہلت نہ ملی اور چند ہی روز میں میدان صاف ہو گیا۔ مورخ طبری نے حضرت خالد کی نسبت لکھا ہے:۔

وکان قلیل الصبر اذا رآہ او سمع بہ — یعنی جب وہ موقع جنگ دیکھتے یا لڑائی کی خبر سنتے تو پھر صبر نہ ہوتا۔

حیرت یہ ہے کہ باوجود اسقدر مہمات سر کرنے کے اسی قلیل زمانے میں انھوں نے ملکی انتظامات بھی کئے۔ عمال مقرر کئے۔ وصول خراج کا بندوبست کیا۔ کاشتکاروں اور زمینداروں کو امن دیکر لگان کے معاہدے کئے۔ ایرانیوں نے شروع میں ان فتوحات کو عرب کی معمولی لوٹ مار خیال کیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا عزم اور انصاف اور برتاؤ کی خوبی دیکھی تو اپنے اپنے گھروں میں باطمینان واپس آگئے ہر پرگنہ اور علاقہ کے باشندوں نے اپنے قائمقام بھیجکر جزیے کے معاہدے کئے اور معاہدے کے بعد پورے اطمینان کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو گئے

حضرت خالد کے دو فرمان یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن سے اُس منصفانہ طرزِ عمل کا پتا لگتا ہے جو مسلمانوں نے عراق میں اختیار کیا تھا۔ نقل فرمان بنام صلوبا بسواوی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ لِابْنِ صَلُوْبَا السَّوَادِیْ وَمَنْزِلُہٗ بِشَاطِیِٔ الْفُرَاتِ اَنَّکَ آمِنٌ بِاَمَانِ اللّٰہِ عَلٰی حَقْنِ دَمِکَ بِاِعْطَاءِ الْجِزْیَۃِ وَقَدْ اَعْطَیْتَ عَنْ نَفْسِکَ وَعَنْ اَہْلِ خَرْجِکَ وَعَنْ جَزِیْرَتِکَ وَمَنْ کَانَ فِیْ قَرْیَتِکَ بَانِقْیَا وَبَارُوْسَمَا اَلْفَ دِرْہَمٍ فَقَبِلْتُہَا مِنْکَ وَرَضِیَ مَنْ مَعِیَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ بِہَا مِنْکَ وَلَکَ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَذِمَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی ذٰلِکَ۔ وَشَہِدَ ہِشَامُ بْنُ الْوَلِیْدِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم خالد بن ولید کی جانب سے بنام صلوبا سوادی ساکن کنارہ فرات۔ تو اللہ کی پناہ میں ہے۔ قبول جزیہ کے بعد تیری جان بخشی گئی تو نے اپنی ذات اپنی رعایا اپنے جزیرے اور بانقیا اور باروسما کی طرف سے ایک ہزار درہم جزیہ دیا میں نے اسکو قبول کیا اور جو مسلمان میرے ساتھ اُنھوں نے اتفاق کیا اُس کے عوض میں تو اللہ کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی پناہ میں آگیا۔ ہشام بن ولید گواہ ہوا۔

اہل حیرہ کے نام معاہدہ ربیع الاول سنہ ۱۲ ہجری میں لکھا گیا:-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہٰذَا مَا عَاہَدَ عَلَیْہِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ عَدِیًّا وَعَمْرًوا ابْنَیْ عَدِیٍّ وَعَمْرَو بْنَ عَبْدِ الْمَسِیْحِ وَاِیَاسَ بْنَ قَبِیْصَۃَ وَحِیْرِیَّ بْنَ اَکَّالٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمرو پسران عدی اور عمرو بن عبد المسیح اور ایاس بن قبیصہ کے ساتھ کیا یہ لوگ اہل حیرہ کے مقبولہ و مقرر کردہ قائم مقام

وَھُمْ نُقَبَاءُ اَھْلِ الْحِیْرَۃِ وَرَضِیَ بِذٰلِکَ	ہیں یہ قرار داد ہے کہ ہر سال ایک لاکھ نوے ہزار
اَھْلُ الْحِیْرَۃِ وَاَمَرَھُمْ بِہٖ عَاھَدَھُمْ عَلٰی	درہم بطور جزیہ وہ لوگ ادا کرینگے جو دنیاوی
تِسْعِیْنَ وَمِائَۃِ اَلْفَ دِرْھَمٍ تُقْبَلُ فِیْ	مقدرت رکھتے ہوں وررہبان اور قسیس
کُلِّ سَنَۃٍ جَزَاءً عَنْ اَیْدِیْھِمْ فِی الدُّنْیَا رُھْبَانَھُمْ	گروہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو مفلس ہوں دنیا سے
وَقِسِّیْسُھُمْ اِلَّا مَنْ کَانَ مِنْھُمْ عَلٰی غَیْرِ	بالکل بے تعلق ہوں بنیاد معاہدہ حفاظت ہے
ذِیْ یَدٍ حَبِیْسًا عَنِ الدُّنْیَا تَارِکًا لَھَا وَعَلَی	اگر میں خالد بن الولید اُن کی حفاظت نکروں
الْمَنْعَۃِ فَاِنْ لَمْ یَمْنَعْھُمْ فَلَا شَیْءَ عَلَیْھِمْ حَتّٰی	جزیہ کا کوئی جز واجب نہوگا اور وہ (اہل حیرہ)
یَمْنَعُھُمْ۔ وَاِنْ غَدَرُوْا بِالْفِعْلِ اَوْ بِقَوْلٍ	قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہماری پناہ سے
فَالذِّمَّۃُ مِنْھُمْ بَرِیْئَۃٌ	نکل جائیں گے۔

حضرتِ خالد نے فوجی اور ملکی انتظام کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا تھا۔ فوجی افسر جدا تھے اور ملکی جدا۔ چنانچہ اوّل ہی لڑائی کے بعد جس میں ہرمز کام آیا فوج کے سردار حضرت سعید بن نعمان اور ملکی حاکم سوید بن مقرن مقرر کیے گئے۔ سوید کو ہدایت کی کہ اپنے ماتحت عُمّال وصول خراج کے واسطے مفصلات میں متعین کریں جن پرگنوں کے باشندے مقابلے پر نہیں آئے اُنسے کچھ مزاحمت نہیں کی گئی اور آشتی کے ساتھ لگان کا بندوبست کرلیا گیا۔ بانقیا۔ بارو سما وغیرہ اسی سلسلے میں تھے۔ حیرہ اور اُبلہ خراج کے صدر مقام تھے جو اُس وقت کی اصطلاح میں سواد کہلاتے تھے۔ سواد حیرہ کے ماتحت حسب ذیل پرگنے اور عامل خراج تھے۔

نام پرگنہ	نام عامل
فلالیج (بلندی عراق)	عبداللہ بن رثیمہ
بانقیا و بارو سما	جریر بن عبداللہ

ناظم پرگنہ	نام عامل خراج
نہرین	بشیر بن خصاصیہ
دستان	اط بن ابی اط

سواد ابلہ کے حاکم سوید بن مقرن کے نائب حسب ذیل عمال تھے۔

عسکر بطی سعید بن ابی مجزہ، ربیعہ بن عسل۔

خونی مظالم کی شہادت اس سے [illegible] ہوتی ہے کہ پچاس [illegible] اندر حصہ مفتوحہ میں تقریباً خراج وصول ہو کر انھیں [illegible] ہو گیا۔ اس [illegible] مسلمانوں [illegible] مہمات میں بہت مدد ملی۔ حضرت خالد کا اصول [illegible] پہنچتے تھے [illegible] تبلیغ اسلام کرتے تھے بصورت عدم قبول جزیہ طلب کرتے اس سے کچھ [illegible] ہوتا تو اعلان جنگ کیا جاتا۔ چنانچہ حیرہ کے معرکہ سے پہلے جب اشراف اہل فارس بہ سرکردگی قبیصہ بن ایاس نائب کسرےٰ حضرت خالد کے پاس آئے تو انھوں نے کہا:۔

ادعوکم الی الاسلام فان اجبتم فانتم من المسلمین لکم ما لھم و علیکم ما علیھم فان ابیتم فالجزیۃ فان ابیتم فقد اتیتکم باقوام ھم احرص علی الموت منکم علی الحیوٰۃ

یعنی میں تمکو اسلام کی جانب بلاتا ہوں اگر تم قبول اسلام کروگے تو تم مسلمانوں کا جز ہو جاؤگے تمھارے وہی حقوق ہونگے جو ہمارے ہیں اور وہی ذمہ داریاں ہونگی جو ہم پر ہیں اس سے انکار ہو تو جزیہ دو یہ بھی منظور نہیں تو سمجھ لو کہ تمھارے مقابلے کے واسطے وہ فوجیں لیکر آیا ہوں جو موت پر ایسی ہی جان دیتے ہیں جیسے تم زندگی پر بلکہ زیادہ۔

جزیہ کی مقدار معاہدہ حیرہ میں فی کس چار درہم تھی (یعنی ایک روپیہ) راہب تارک الدنیا اور مفلس مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کے عوض میں مسلمانوں کی جانب سے حفاظت کا عہد ہوتا تھا۔ ہر معاہدہ

جزیہ میں یہ تصریح ہوتی تھی کہ اگر ہم تمھاری حفاظت نہ کر سکینگے تو جزیہ بھی نہ لینگے۔ ان معرکوں میں کسقدر احتیاط کی جاتی تھی اور حضرت ابو بکر چھوٹے چھوٹے واقعات سے بھی کسقدر باخبر رہتے تھے حسب ذیل واقعہ سے واضح ہوتا ہے مضیح کی لڑائی میں جب مسلمانوں نے شبخون مارا تو دو مسلمان بھی جو دشمنوں میں رہتے تھے کام آئے ایک عبد العزی جن کا اسلامی نام عبد اللہ تھا دوسرے لبید شبخون کے وقت جو اشعار عبد اللہ کی زبان پر تھے اُن میں یہ مصرع بھی تھا

ع سبحانک اللھم رب محمد۔

حضرت ابو بکر نے یہ ماجرا سنا تو دونوں کا خونبہا ورثار کو ادا کیا اور حکم دیا کہ ان کے پس ماندوں کے ساتھ حسن سلوک اختیار کیا جائے اسی کے ساتھ یہ بھی کہا:۔

اما ان ذلک لیس علی اذ نازلا اھل الحرب — اس کی ذمہ داری میرے سر نہیں ہے جبکہ وہ دار الحرب میں قیام پذیر تھے۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالد نے حیرہ کو اپنا صدر مقام مقرر کیا۔ وہیں سے ہر طرف انتظام کے واسطے آتے جاتے تھے۔ السیب سرحدی مقام تھا سرحد کی حفاظت پر کار آزمودہ جوانمرد مامور تھے۔ مثلاً حضرت ضرار بن ازور۔ حضرت ضرار بن الخطاب۔ مثنیٰ بن حارثہ۔ خلافت کے احکام فتح عراق کی بابت یہ تھے کہ جب حیرہ پر نشیبی و بالائی دونوں لشکر اسلام جمع ہو جائیں تو ایک امیر عسکر حیرہ میں قیام کرے دوسرا مدائن دار السلطنت پر بڑھے۔ حضرت خالد اپنے مفوضہ مہمات طے کر کے حیرہ پہونچ گئے لیکن حضرت عیاض اس سرعت سے ختم نہ کر سکے۔ اور حسب ارشاد خلافت حضرت خالد کو اُنکی مدد کے واسطے بمقام "ذومۃ الجندل" جانا پڑا۔ اسی سلسلے میں حضرت خالد کربلا کی چھاونی تک گئے۔ اُس وقت مسلمانوں کی آویزش کا سلسلہ کنارہ دجلہ تک پہونچ چکا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ خود مدائن کے بعض مورچوں

پر سرگرم قتال تھے۔ حضرت خالد نے چند روز کربلا میں قیام کیا وہاں اُس زمانے میں مکھیوں کی بہت کثرت تھی عبداللہ بن وثیمہ نے شکایت کی تو حضرت خالد نے جواب دیا صبر کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ جن چھاونیوں کا خالی کرنا عیاض کے سپرد تھا اُن کو فتح کر کے عربوں کو قابض کر دوں تاکہ مسلمانوں کا عقب محفوظ ہو جائے اور آمد رفت کا سلسلہ بے خدشہ جاری رہے۔ یہی حکم خلیفہ کا ہے اور خلیفہ کی رائے ایک جماعت کے رائے کی برابر قوی ہے

افرنیانہ یعدل بحدہ الامة ؟

رمضان المبارک میں دومۃ الجندل وغیرہ کے معرکے سر کر کے حضرت خالد فراض جا پہونچے جہاں فارس۔ شام اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اسی موقع پر عید کی نماز ادا کی مسلمانوں کا اجتماع فراض پر دیکھکر رومیوں کو جوش اور غصہ آیا اور اُنھوں نے فارس کی چھاونیوں کے عرب کے قبائل تغلب۔ آیاد۔ نمر سے مدد لیکر مسلمانوں کے مقابلہ کا تہیہ کیا تغلب وغیرہ قبائل سرحد روم پر آباد تھے اور اُن میں مسلمانوں کے خلاف جوش موج زن تھا اس طرح رومی۔ اہل فارس۔ اور عرب متفق ہو کر مسلمانوں پر بڑھے۔ فرات کے کنارے پر دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔ رومیوں نے حضرت خالد سے دریافت کیا کہ تم ادہر آؤ گے یا ہم اُدہر آئیں اُنھوں نے جواب دیا کہ تم آؤ۔ رومیوں نے کہا بہتر لیکن جس موقع پر تم ہو وہاں سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم دریا کو عبور کر سکیں۔ حضرت خالد نے اس سے انکار کیا۔ انکار سنکر رومیوں اور ایرانیوں نے مشورہ کیا کہ خالد اپنی بات سے ہٹنے والا نہیں۔ خود ہمکو دوسرے گھاٹ سے عبور کر کے مقابلہ کرنا چاہئیے۔ چنانچہ مخالف لشکر نے دریا اتر کر نہایت جوانمردی وعزم کے ساتھ حملہ کیا۔ مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بعد فتح لشکر اسلام نے تعاقب کیا اور کثرت سے دشمن کام آئے۔ کامیابی کے بعد حضرت خالد دس روز فراض میں مقیم

رہے۔ اور ضروری انتظام کرکے پانچویں ذی قعدہ کو حیرہ کی واپسی کا حکم دیا۔ عاصم کو ہدایت کی کہ لشکر لیکر چلیں شجرہ بن الاعز ساقہ پر تھے۔ خود حضرت خالد نے اپنا قیام ساقہ میں رکھا جب لشکر آگے بڑھا تو حضرت خالد چند آدمیوں کو لیکر علیحدہ ہوگئے اور غیر معروف راستہ سے مکہ پہونچ کر حج کیا۔ یہ سفر اس تیزی سے طے کیا کہ لشکر کے آخر حصہ کے ساتھ حیرہ میں داخل ہوگئے۔ واپس آئے تو فرمان خلافت ملا جس میں اس جسارت پر کہ لشکر سے علیحدہ ہوکر حج ادا کیا تنبیہ تھی اور آیندہ احتیاط کی ہدایت۔ اس طرح حضرت خالد نے سنہ ۱۲ھ کے اختتام سے پہلے تجویز شدہ مہم عراق کی تکمیل کردی۔

حج | ذی حجہ سنہ ۱۲ ہجری میں حضرت ابوبکر نے حج کیا۔ انکی غیبت کے زمانے میں حضرت عثمان بن عفان مدینہ میں نائب رہے

شام سنہ ۱۳ھ | ملک شام اس عہد میں سلطنت روم میں شامل تھا۔ عراق کی طرح سلطنت روم کی عربی سرحد پر بھی قبائل عرب آباد تھے جو اہل حجاز کے ساتھ گوناگون تعلقات رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب تمام مدینہ کے یہود و عرب مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہوکر اٹھے اور دائرہ خصومت وسیع ہوا تو اس کا اثر سرحد روم تک پہونچا اور اس طرف سے بھی کاوش و آویزش شروع ہوئی سنہ ۸ ہجری کے وسط میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم رومیوں کے مقابلے پر روانہ فرمائی جو سیرۃ میں غزوہ موتہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس مہم کا جس فوج گراں سے مقابلہ ہوگیا اس میں خود ہرقل روم مع رومیوں کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ موجود تھا۔ اسی غزوہ میں حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے رضی اللہ عنہما۔ رجب سنہ ۹ ہجری میں خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک تشریف لیگئے اس مہم کا مقصود بھی ہرقل کے حملہ کا روکنا تھا۔

جیش اسامہ کی روانگی بھی رومیوں کے مقابلے پر ہوئی تھی۔ ابھی ابھی سُن چکے ہو کہ مہم عراق کے دوران میں کس طرح رومی از خود میدان میں درآئے۔ انہی وجوہ سے آغاز خلافت سے حضرت صدیق اکبر کی نگاہ جن دو منبروں سے لڑ رہی تھی اُن میں ایک ہرقل روم بھی تھا۔ مہم عراق کی کامیابی کے بعد سفر حج سے واپس آکر حضرت ابوبکر نے مہم شام کا اہتمام کیا۔ سب سے اوّل حضرت خالد بن سعید کو ایک حصہ فوج کے ساتھ بھیجا اور اُن کو حکم دیا کہ مقام تیما پہونچکر قیام کریں اور تا حکم ثانی آگے نہ بڑھیں۔ خود حملہ نہ کریں اور دوسرے حملہ ہو تو دفع کریں۔ جو مسلمان قبائل تیما کے نواح میں ہوں اُن کو شرکت کی ترغیب دیں لیکن یہ شرط تھی کہ جو لوگ ارتداد کا داغ کھا چکے ہوں وہ شامل نہ کیے جائیں۔ حضرت خالد بن سعید نے بموجب حکم تیما پہونچکر پڑاؤ کیا۔ قبائل کا لشکر عظیم اُنکے نشان کے نیچے جمع ہو گیا۔ ہرقل کو جب اس فوج گراں کی خبر پہونچی تو اُس نے بھی تیاریاں شروع کیں۔ اور عرب کے مقابلے کے لئے عرب انتخاب کئے۔ قبائل لخم غسان جذام وغیرہ جو شام کے سرحد پر آباد تھے حضرت خالد بن سعید کے مقابلے کے واسطے تیماء سے تین منزل کے فاصلہ پر فراہم ہوئے۔ حضرت ابوبکر کو اطلاع کی گئی۔ حکم آیا۔

اقدم ولا تحجم واستنصر اللہ — آگے بڑھو رکو مت خدا سے مدد مانگو۔

اس ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے حملہ کیا اور مخالفین کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ شامیوں کی چھاونی پر حجازی لشکر کا قبضہ ہو گیا۔ اس کشمکش کا ایک مبارک نتیجہ یہ ہوا کہ جو قبائل مقابلہ پر بڑھے تھے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسکی اطلاع بھی مدینہ گئی حکم ہوا اور آگے بڑھو لیکن اس احتیاط سے کہ عقب محفوظ رہے۔ حضرت خالد بن سعید نے قدم آگے بڑھایا اور زیزاء و آبل گئے۔ درمیان منزل کی یہاں باہان نامی ایک بطریق نے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ اسکی اطلاع کے ساتھ حضرت خالد بن سعید نے مزید مدد کی درخواست بھیجی

اور اب حضرت صدیق نے پورے اہتمام کے ساتھ مہم کا انصرام فرمایا۔ اسی عرصے میں وہ لشکر جو یمن۔ عمان بحرین تہامہ وغیرہ مقامات میں اہل ارتداد سے لڑ رہے تھے کامیابی کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت عکرمہ ذو الکلاع حمیری (یمن کے شاہی خاندان حمیر کی یادگار) اسی جمعیت میں تھے۔ چار جدید فوجیں شام کو روانہ کی گئیں ایک کے امیر حضرت ابوعبیدہ تھے دوسرے کے حضرت شرحبیل بن حسنہ۔ تیسری کے حضرت یزید بن ابوسفیان۔ چوتھی کے حضرت عمرو بن العاص۔ یہ افواج مختلف حصص شام پر پا مور ہوئیں۔ حضرت عمرو بن العاص کو براہ معرفہ فلسطین پر بڑھنے کا حکم ملا۔ بقیہ تینوں لشکر مختلف سمتوں سے بلقاء (البلدی شام[1]) کی جانب بڑھے۔ ہر امیر کے متعلق مختلف شہروں کی تسخیر تھی۔ مجموعی اصول یہ تھا۔

اَعرِفُ اَنَّ الرُّوْمَ سَتَشْغَلُهُمْ فَاَحَبُّ اَنْ یَصعَدَ المصوبُ وَ یَصُوبَ المصعدُ لِئَلَّا یَتَوَاکَلُوْا	میں جانتا ہوں کہ عنقریب رومی پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابل ہوں گے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ بلندی والے نشیب کی جانب اور نشیب والے بلندی کی طرف جا سکیں اور ایک دوسرے کے محتاج نہ رہیں۔

مورخ طبری لکھتے ہیں:۔

فکان کماظن۔	وہی ہوا جو حضرت ابوبکر کا خیال تھا۔

مسلمانوں کی ان چاروں فوجوں کی تعداد ستائیس ہزار تھی حضرت خالد بن سعید کی جمعیت اس کے علاوہ۔ ہرقل کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے بڑے زور شور سے تیاریاں کیں۔ خود شام پہونچکر حمص میں قیام کیا۔ یہ تجویز کی کہ مسلمانوں کے ہر لشکر کا جدا جدا مقابلہ کیا جائے تاکہ اُن کو اجتماع کا موقع نہ ملے۔ تذارق ہرقل کا حقیقی بھائی نوے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کے جرجہ بن توذرا قریباً اسیقدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان کے

[1] شام کا وہ صوبہ جس کا صدر بیت المقدس تھا۔

واقص حضرت شرجیل بن حسنہ کے اور فیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے مقابلے پر مامور ہوا تذارق کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھ کر ثنیہ نامی مقام پر جو فلسطین کا بلند حصہ تھا خیمہ زن ہوا۔ مسلمانوں نے جب رومیوں کا ٹیڑی دل دیکھا تو گھبرائے اور حضرت عمرو بن العاص سے مشورہ طلب کیا۔ فوج کی زیادہ جمعیت انہی کے پاس تھی جواب دیا۔

اَلرَّأْیُ الْاِجْتِمَاعُ وَذٰلِکَ اَنَّ مِثْلَنَا	رائے یہ ہے کہ سب مجمع ہو جاؤ وجہ یہ کہ ہم سے آدمی جب
اِذَا اجْتَمَعَ لَمْ یُغْلَبْ مِنْ قِلَّۃٍ وَاِذَا	جمع ہو جائیں تو محض قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے
نَحْنُ تَفَرَّقْنَا لَمْ یَبْقَ الرَّجُلُ مِنَّا فِیْ عَدَدٍ	اور اگر ہم متفرق ہو گئے تو پھر ہم میں سے کسی کے پاس اتنی
یَقْرُنُ فِیْہِ لِاَحَدٍ مِمَّنْ اِسْتَقْبَلَنَا	جمعیت نہیں رہیگی کہ اپنے مقابل حریف کا مقابلہ کر سکے
وَاَعَدَّ لَنَا لِکُلِّ طَائِفَۃٍ مِنَّا فَاتَّعِدُوا	ہمارے ہر لشکر کے مقابلے کے واسطے الگ الگ فوج بھیجی گئی
الْیَرْمُوْکَ۔	ہے یرموک پر جمع ہو جاؤ۔

حضرت ابوبکر کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی مذکورہ بالا رائے پسند کی اور لکھا

اِجْتَمِعُوْا فَتَکُوْنُوْا عَسْکَرًا وَاحِدًا	سب جمع ہو کر ایک لشکر بنجاؤ اور مشرکوں کی صفیں مسلمانوں
وَالْقَوْا زُحُوْفَ الْمُشْرِکِیْنَ بِزَحْفِ	کی فوج سے الٹ دو اس کا یقین رکھو کہ تم اللہ کے مددگار ہو
الْمُسْلِمِیْنَ فَاِنَّکُمْ اَعْوَانُ اللّٰہِ وَاللّٰہُ	اور اللہ اپنے مددگار کو فتح دیتا ہے اور جو اس کا منکر ہو اسکو
نَاصِرُ مَنْ نَصَرَہٗ وَخَاذِلُ مَنْ کَفَرَہٗ	رسوا کرتا ہے تم سا گروہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا
وَلَنْ یُؤْتیٰ مِثْلُکُمْ مِنْ قِلَّۃٍ وَاِنَّمَا یُؤْتیٰ	حقیقت حال یہ ہے کہ ہزاروں جمعیت اگر راہ معصیت اختیار
الْعَشَرَۃُ الْاٰلَافُ وَالزِّیَادَۃُ عَلَی الْعَشَرَۃِ	کرے تو بیدست و پا ہو جاتی ہے لہذا واجب ہے کہ گناہوں سے
الْاٰلَافِ اِذَا اُتُوْا مِنْ تِلْقَاءِ الذُّنُوْبِ	خبردار رہو۔ مقام یرموک میں اپنے اپنے نشان کے

فاحترسوا من الذنوب واجتمعوا بالیرموک   بچے جمع ہو ہر امیر عسکر اپنے آدمیوں کے

مُتَسَانِدِیْنَ وَلْیُصَلِّ کُلُّ رَجُلٍ بِاَصْحَابِہٖ   ساتھ نماز ادا کرے۔

ہرقل کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے بھی نقشۂ مہم بدل دیا اور حکم دیا کہ تمام لشکر ایک جگہ جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ پڑاؤ ایسے موقع پر کیا جاوے جس کا سامنا کشادہ ہو اور عقب تنگ۔ تذارق امیر الامرا ہو۔ مقدمہ پر جرجہ اور دائیں بائیں بازو پر ذراقص و باہان۔ اس کے ساتھ یہ خوشخبری بھی تھی کہ باہان عنقریب ورتازہ دم فوج لیکر تمھارے پاس پہنچتا ہے۔ فرمان شاہی کے مطابق رومیوں کا لشکر واقوصہ نامی مقام پر اُترا۔ یہ مقام دریائے یرموک کے کنارہ پر تھا۔ سامنے دریائے یرموک تھا پشت پر ایک سیدھا اونچا پہاڑ۔ یہ محفوظ جگہ اسلئے انتخاب کی گئی کہ رومیوں کے ہوش بجا ہوں مسلمانوں کا جو خوف طاری تھا وہ رفع ہو اور دل ٹھہریں۔ مسلمانوں نے اس موقع کا اندازہ کیا اور اپنا پڑاؤ چھوڑ کر رومیوں کے سامنے مورچہ جمایا۔ اس طرح رومی پشت اور پیش دونوں جانب سے محصور ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے یہ کیفیت دیکھکر مسلمانوں سے کہا:-

اَیُّهَا النَّاسُ اَبْشِرُوْا، حُصِرَتْ وَاللّٰہِ   مژدہ ہو اے لوگو۔ قسم رب کی رومی محصور ہو گئے اور محصور

الرُّوْمُ، وَقَلَّ مَاجَاءَ مَحْصُوْرٌ بِخَیْرٍ   فوج بہت کم فلاح پاتی ہے۔

مسلمان تین مہینے تک محاصرہ کئے رہے۔ سامنے دریا حائل تھا پشت پر پہاڑ اسلئے مسلمان خود حملے سے مجبور تھے۔ رومی حملے سے دل چراتے تھے۔ معمولی حملے کرتے تھے جو پسپا کر دئیے جاتے۔ صفر کے مہینے میں اس اجتماع اور معرکہ کی کیفیت مدینہ پہونچی۔ حضرت خالد کے نام مراسلہ جاری ہوا کہ عراق کے معاملات مثنیٰ کے سپرد کر کے اپنے لشکر کے ساتھ یلغار کر کے شام پہنچو۔ حضرت خالد نے اس حکم کی پوری تعمیل کی اور اس سرعت سے یرموک پہونچے

کہ اُن کے گھوڑے کے پاؤں بیکار ہوگئے۔ ربیع الآخر کے آخیر میں یہ لشکر یرموک پہنچا۔ اُسی روز
باہان رومیوں کی کمک لیکر پہنچا تھا۔ اس لشکر کے آگے آگے پادریوں کے مختلف طبقے تمامہ
راہب۔ قسیس وغیرہ تھے اور مسلمانوں کے مقابلے کی ترغیب دیتے جاتے تھے۔ مورخین نے
رومیوں کی مجموعی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے۔ حضرت خالد کی نو ہزار سپاہ اور بعض اور
کمکوں کے شامل ہو جانے سے مسلمانوں کی جمعیت چھیالیس ہزار ہو گئی تھی۔ رومی باوجود
اپنی کثرت اور حریف کی قلت کے حضرت خالد کے پہونچنے کے بعد بھی ایک مہینے تک خندق
میں چھپے رہے۔ مذہبی پیشوا اُن کو اُبھارتے تھے نصرانیت کی تباہی کا ماتم کرتے تھے لیکن
کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر کار بہت سی کوششوں کے بعد آمادۂ پیکار ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخر
کا ہے اس طرح پانچ مہینے کے محاصرے کے بعد میدان میں نکلے۔ مسلمانوں کی مختلف
فوجیں اپنے اپنے امیر کی زیر حکم تھیں۔ کل فوج پر کوئی سردار نہ تھا۔ جب رومیوں کے
حملے کی اطلاع ہوئی تو اس طرف سے ارادہ ہوا کہ ہر حصۂ لشکر اپنے اپنے سردار کی ماتحتی
میں مقابلہ کرے اس طرز جنگ کو عرب کی اصطلاح میں تساند کہتے تھے۔ حضرت خالد نے
یہ حالت دیکھی تو تمام فوج کے سامنے ایک خطبہ دیا اُس میں بیان کیا کہ آج کا دن ایک
عظیم الشان دن ہے جو تاریخ میں یادگار رہیگا اپنے ذاتی شرف اور فخر کو علٰحدہ رکھکر صرف
مرضی الٰہی کے واسطے کام کرنا چاہیئے اور وہ طرز اختیار کرنی چاہیئے جس سے دشمن نفع نہ
اُٹھاوے۔ متفرق امرا کی ماتحتی میں لڑنا قوت کو منتشر کرنا ہے وہ رائے قرار دو جو مناسب
موقع ہو۔ سب نے کہا تم اپنی رائے ظاہر کرو اُنھوں نے کہا کہ خلیفہ کا اندازہ تھا کہ معرکے آسان
ہونگے۔ جو واقعات یہاں پیش ہیں اگر ان کی خبر ہوتی تو ضرور وہ تمام لشکر کو ایک امیر کا
ماتحت کر دیتے۔ اب یہ ہونا چاہیئے کہ کل لشکر ایک سپہ سالار کے حکم سے لڑے۔

جو باری باری سے مقرر ہو۔ ایک دن ایک امیر ہو دوسرے روز دوسرا۔ اگر پسند ہو آج کی امارت میری سپرد کر دو۔ سارے امرا نے اس رائے کو تسلیم کیا اور اس روز کی سپہ سالاری حضرت خالد کو تفویض کی گئی۔ رومیوں نے اپنی فوج نئی ترتیب سے قائم کی تھی۔ امیر اسلام نے بھی معمولی ترتیب چھوڑ کر جدید طرز اختیار کی۔ جو عرب نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ تمام سپاہ کو چالیس دستوں پر تقسیم کر کے ہر دستہ پر ایک کار آزمودہ سردار مقرر کیا۔ اور فوج والوں سے کہا کہ دشمن کی کثرت ہو تو اس سے بہتر ترتیب نہیں ہو سکتی۔ اس سے لشکر کی تعداد دونی معلوم ہوتی ہے۔ قلب پر حضرت ابو عبیدہ۔ میمنہ پر حضرت شرحبیل بن حسنہ اور عمرو بن العاص اور میسرہ پر حضرت یزید بن ابی سفیان مقرر کئے گئے۔ ایک دستہ حضرت خالد کے بیٹے عبد الرحمن کے سپرد تھا جنکی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔ قاضی عسکر حضرت ابو درداء تھے۔ قاص حضرت ابو سفیان۔ اور قاری حضرت مقداد۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت مقرر فرما دی تھی کہ آغاز غزوہ سے پیشتر سپاہ اسلام کے سامنے سورۂ انفال پڑھی جائے۔ یہ خدمت قاری کے سپرد تھی قاص کی یہ خدمت تھی کہ سپاہیوں کے سامنے کھڑے ہو کر جوش جنگ تازہ کرتے چنانچہ حضرت ابو سفیان ہر دستے کے سامنے جاتے اور کہتے:۔

انتم ذادة العرب وانصار الاسلام	تم جوانمردان عرب ہو اور اسلام کے انصار۔ وہ جوانمردان
وهم ذادة الروم وانصار الشرك	روم ہیں اور شرک کے مددگار۔ اے اللہ آج کا دن
اللهم هذا يوم من اياماك اللهم انزل	معرکہ کا دن ہے۔ اے اللہ اپنی مدد اپنے بندوں
نصرك على عبادك	پر نازل فرما۔

لشکر اسلام میں ایک ہزار صحابی شریک تھے جن میں سے سو بزرگ بدری تھے۔ جب

حضرت خالد لشکر کی صفیں قائم کر رہے تھے ایک شخص نے کہا رومیوں کی فوج کسقدر زیادہ ہے۔ اور ہماری کتنی کم حضرت خالد نے کہا نہیں ہماری فوج بہت ہی زیادہ ہے اور رومیوں کی بہت ہی کم ہے سپاہ کی قلت یا کثرت تعداد پر توقف نہیں نتیجہ جنگ فتح و شکست سے اس کا انداز ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترتیب صفوف کے بعد حضرت خالد نے حکم دیا کہ حضرت عکرمہ و حضرت قعقاع قلب کے دونوں بازوں سے نکل کر حملہ آور ہوں۔ معرکہ کارزار گرم ہوا عین معرکہ میں مدینہ سے قاصد پہونچا۔ لوگوں نے حال دریافت کیا تو اس نے خیریت اور آمد مدد کی خوشخبری سنائی۔ حضرت خالد کے پاس پہونچے تو آہستہ کچھ کہا اور مراسلہ دیا۔ انھوں نے مراسلہ کو بجنسہ ترکش میں رکھ لیا۔ اور مصروف جنگ ہو گئے۔ ہنگامہ دار و گیر میں جذب حق کا کرشمہ دیکھو۔ دوران کارزار میں رومیوں کا سردار جرجہ بن توذر میدان میں آیا اور للکار کر کہا خالد میرے سامنے آئیں۔ حضرت خالد نے حضرت ابو عبیدہ کو اپنا نائب کیا اور خود آگے بڑھکر دونوں لشکروں کے درمیان جرجہ سے ملے۔ اول دونوں نے ایک دوسرے کو پناہ دی بعد امان اسقدر پاس کھڑے ہوئے کہ گھوڑوں کی کنوتیاں مل گئیں۔ جرجہ سچ کہنا جھوٹ مت بولنا آزاد مرد جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکا نہ دینا فریب شرفا کا شیوہ نہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ خدا نے تمھارے نبی کے پاس آسمان سے تلوار بھیجی تھی وہ تمکو عطا ہوئی اور اس کا اثر ہے کہ تم ہر جگہ فتحیاب ہوتے ہو۔ حضرت خالد نہیں۔ جرجہ پھر تمھارا لقب سیف اللہ کیوں ہے۔ حضرت خالد۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا۔ انھوں نے اسلام ہمارے سامنے پیش کیا۔ اوّل ہم سب کے سب بھاگ کر کنارہ کش ہو گئے۔ پھر بعض نے تصدیق کر کے پیروی اختیار کی بعض دور دور رہکر جھٹلاتے رہے۔ میں ان میں تھا جو تکذیب پر قائم تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ہمارے قلب پھیر دیئے گردنیں جھکا دیں اور ہدایت بخشی۔

میں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی اُس وقت ارشاد ہوا:۔

أَنْتَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ سَلَّهُ — اے خالد تو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار

عَلَى الْمُشْرِكِينَ — ہی جو مشرکین کے مقابلے کے لیے نیام سے نکلی ہی

نتیجہ یہ ہوا کہ اب میں سب مسلمانوں سے زیادہ مشرکوں کا دشمن ہوں۔ جرجہ۔ تم نے سچ کہا۔ اب یہ بتاؤ کہ دعوت اسلام کیا ہی۔ حضرت خالد۔ اس امر کا اقرار کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ اور محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اُس پیام کی تصدیق جو وہ خدا کی طرف سے لائے۔ جرجہ۔ اگر اُسکو کوئی نہ مانے۔ حضرت خالد جزیہ دے۔ جرجہ۔ یہ بھی قبول نہ کرے۔ حضرت خالد۔ ہم اوّل اعلان جنگ کرینگے پھر لڑینگے۔ جرجہ۔ جو تم میں شامل ہو اُس کا مرتبہ۔ حضرت خالد۔ اللہ کا فرمان ہی کہ سب مسلمان درجہ میں برابر ہیں اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ اوّل ہوں یا آخر جرجہ۔ جو آج ایمان لائے وہ بھی رتبہ میں مساوی ہوگا حضرت خالد۔ برابر ہوگا بلکہ افضل جرجہ۔ یہ کس طرح۔ حضرت خالد۔ ہم نے جب اسلام قبول کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات تھے۔ نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ احکام آسمانی کی خبر دیتے تھے ہم معجزات و تصرفات مشاہدہ کرتے تھے۔ اس صورت میں ہمارا مسلمان ہونا لازم تھا۔ آج تم اُن باتوں کو نہیں دیکھتے پھر بھی ایمان لاتے ہو تو ہم سے افضل ہو۔ جرجہ۔ تم قسم سے کہتے ہو کہ تم نے مجھسے سچ کہا۔ دھوکا نہیں دیا۔ تالیف قلب نہیں کی۔ حضرت خالد۔ واللہ نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھکو تم سے یا کسی سے نفرت ہی۔ جو تم نے پوچھا اُس کا سچا جواب میں نے دیدیا۔ اللہ میرا مددگار ہی۔ جرجہ۔ بیشک تم نے سچ کہا۔ یہ کہکر اپنی ڈھال پس پشت ڈال دی اور کہا مجھکو اسلام کی تلقین کرو۔ حضرت خالد اُسکو اپنے خیمے میں لیگئے۔ اوّل غسل دیا۔ پھر تلقین اسلام کے بعد جرجہ کو مقتدی بناکر دو رکعت نماز ادا کی۔ جرجہ کی یہ حالت دیکھکر رومیوں نے عام حملہ کو دیا

پہلے حملے میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ حضرت عکرمہ اور حضرت حارث بن ہشام ثابت قدم رہے۔ جس وقت حضرت خالد جرجہ کو لیکر خیمے سے نکلے تو رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ حضرت خالد نے للکارا تو مسلمانوں نے دلیری سے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اب سیف اللہ نے حملہ کیا اور شمشیر آزمائی شروع ہوئی۔ چاشت سے دن ڈھلنے تک میدان جنگ یکساں گرم رہا۔ انتہا یہ کہ عصر کی نماز اشارے سے ادا کی گئی۔ یہ عالم قابل دید تھا کہ وہ جرجہ جو صبح کو مسلمانوں کے دشمن تھے اب حضرت خالد کے پہلو بہ پہلو نشۂ ایمان میں سرشار رومیوں پر وار کر رہے تھے۔ اور یہ قسمت کہ عین معرکہ میں سعادت شہادت سے کامیاب ہوئے اور صرف دو نماز ادا کر کے جو آغاز اسلام کا نیاز تھی سرخرو اپنے رب کے حضور میں پہونچے۔ رضی اللہ عنہ۔ شام کے قریب رومیوں کو لغزش ہوئی۔ یہ دیکھکر حضرت خالد نے قلب کے دستے لیکر خود حملہ کیا اور پہلے حملے میں دشمن کے پیادوں اور رسالوں کے درمیان گھسکر حد فاصل بن گئے اول رسالوں کو شکست ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ مسلمان اس شکست سے خوش ہوئے لیکن اپنی جگہ پر قائم رہے۔ تعاقب نہیں کیا۔ سواروں کے بعد حضرت خالد نے پیدلوں پر دھاوا کیا۔ اُن کی جمعیت بھی متفرق ہوئی اور خندق میں جا گھسی۔ مسلمان تعاقب پہونچے پشت پر پہاڑ تھا۔ اس لئے رومی گھر گئے۔ اور ہزاروں تلوار کے گھاٹ اترگئے۔ حضرت خالد نے بڑھکر روم کے سپہ سالار تذارق کے خیمے پر قبضہ کر لیا۔ نماز مغرب بعد فتح تنگ وقت پر ادا کی گئی۔ رومی شکست پا چکے تاہم متفرق لڑائی کا سلسلہ صبح تک جاری رہا۔ حضرت خالد کے گرد مسلمانوں کے رسالے تھے۔ اور تذارق کے خیمہ گاہ سے وہ تمام شب فوج کو لڑاتے رہے۔ شب کے وقت حضرت عکرمہ نے کہا کہ میں بہت سے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا رہا۔ آج کیا میں رومیوں سے بھاگ جاؤنگا۔ کون ہے جو مجھسے موت پر

بیعت کرے۔ یہ سنکر حضرت حارث، حضرت ضرار بن ازور نے مع چار سو مسلمانوں کے اُن کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ اور حضرت خالد کے خیمے کے سامنے جم کر لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ باستثنا معدودے چند سب کے سب شہید ہو گئے۔ صبح کو لوگ بحالت نزع حضرت عکرمہ اور اُن کے بیٹے عمرو بن عکرمہ کو اُٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے۔ اُنھوں نے حضرت عکرمہ کا سر اپنی ساق پر اور عمرو بن عکرمہ کا ران پر رکھا۔ چہرہ سے خاک صاف کرتے منہ میں پانی ٹپکاتے اور کہتے جاتے۔ اس پر بھی ابن خنثیمہ کا خیال ہے کہ ہمکو شہادت کی تمنا نہیں۔ اسی حالت میں خدا کے دونوں برگزیدہ بندے رہگرائے عالم بالا ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔ یہ واقعہ سننے کے قابل ہے کہ اس لڑائی میں مسلمان بیبیاں بھی شریک تھیں اور اپنے وستے جدا گانہ قائم کرکے سرگرم قتال ہوئیں۔ جویریہ بنت ابو سفیان کے دستے نے سب سے زیادہ کارنمایاں کیا۔ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے میدان رومیوں سے صاف ہو گیا۔ آفتاب طلوع ہوا تو اُس نے اسلامی پرچم دریائے یرموک پر لہراتا دیکھا۔ یہ فتح بہت مہتم بالشان تھی اسکی وجہ سے مسلمانوں کا سکہ رومیوں کے دل پر بیٹھ گیا اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔ اس معرکہ کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ رومیوں نے آغاز کار میں ایک عرب جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ایک دن ایک رات وہ حالات جانچتا رہا واپس گیا تو کہا:۔

بالليل رهبان وباليوم فرسان لو سرق	وہ لوگ رات میں درویش ہیں دن میں شہسوار
ابن ملكهم قطعوا يده ولو زنى رجم	حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر اُنکے بادشاہ کا بیٹا چوری
لاقامة الحق فيهم	کرے تو اُس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ زنا کرے تو سنگسار
	کردیا جائے۔

اب ہمکو یہ بتا دینا چاہیے کہ جو قاصد اثنا جنگ میں مدینہ سے آیا تھا وہ حضرت ابوبکر کی رحلت کی خبر لیکر پہونچا تھا۔ جو مراسلہ اُس نے دیا تھا وہ حضرت عمر خلیفہ ثانی کا تھا۔ اُس میں حضرت خالد کی معزولی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی سپہ سالاری کا حکم درج تھا

مرض الموت و وفات

ساتویں جمادی الآخر ۱۳ھ کو ہوا سرد تھی حضرت ابوبکر نے غسل کیا۔ سردی کے اثر سے بخار ہوگیا۔ یہی بخار انجام کار مرض وفات ثابت ہوا پندرہ روز علیل رہے۔ علالت روز بروز بڑھتی گئی جب مسجد تک آنیکی قوت نرہی تو حضرت عمر کو امامت پر مقرر کیا۔ شدت مرض کی حالت میں بعض آدمیوں نے کہا کہ طبیب طلب کرلیا جائے۔ جواب دیا کہ طبیب دیکھ چکا۔ پوچھا گیا کہا۔ فرمایا اُس کا قول ہے:-

اِنِّی فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ — مین جو ارادہ کرلیتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔

مدعا سمجھکر لوگ چپ ہو رہے۔ ایام علالت اُس گھر میں بسر کئے جو مسجد نبوی کے قریب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ تھا۔ حضرت عثمان پڑوس میں تھے اس لئے اکثر حاضر باش رہے۔ سختی مرض زیادہ بڑھی تو حضرت ابوبکر کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی اور چاہا کہ مسلمانوں کو اختلاف سے بچانے کے لئے اپنا جانشین نامزد کردیں۔ اوّل خود سوچا پھر اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ اور بعد مشورہ حضرت عمر کی نسبت رائے قائم کی۔ بعض صحابہ نے جنکو حضرت عمر کی سختی کا اندیشہ تھا اپنا یہ خیال مشورہ کے وقت ظاہر کیا تو جواب دیا کہ عمر کی سختی اس وجہ سے تھی کہ وہ میری نرمی سے واقف تھے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب میں غصہ ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔ بعد مشورہ جب رائے پختہ ہوگئی تو ایک روز حضرت ابوبکر بالاخانہ پر تشریف لے گئے۔ شدت ضعف کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ اُنکی بی بی حضرت اسماء بنت عمیس دونوں ہاتھوں سے

سنبھالے ہوئے تھیں نیچے آدمی جمع تھے حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو مخاطب کرکے کہا:۔

اَتَرضَونَ مِمَّن اَستَخلِفُ عَلَیکُم فَاِنّی واللہ مَا اَلَوتُ مِن جُهدِ الرّأیِ وَلَا وَلَّیتُ ذا قرابۃٍ وَاِنّی قد استَخلَفتُ عُمَرَ بنَ الخطاب فاسمعوا واطیعوا

آیا تم اُس شخص کو پسند کروگے جس کو میں ولیعہد مقرر کروں اسکو خوب سمجھ لو اور میں بالقسم کہتا ہوں کہ میں نے غور اور فکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا میں عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں تم میرا کہنا سنو اور مانو۔

سب نے کہا سمعنا و اطعنا۔ ہم نے سُنا اور مانا۔ اُس کے بعد نیچے اوتر آئے اور حضرت عثمان کو طلب کر کے کہا عہدنامہ لکھو۔ چنانچہ حسب ذیل عہدنامہ لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ هذا مَا عَهِدَ ابوبکر بن ابی قحافۃ فی آخر عهدہ بالدنیا خارجاً منها وعند اول عهدہ بالآخرۃ داخلاً فیها حیث یؤمن الکافرُ ویوقِنُ الفاجرُ ویصدقُ الکاذبُ انّی استخلفت علیکم بعدی عُمَرَ بن الخطاب فاسمعوا واطیعوا وانی لم آل اللہ ورسولہ ودینہ ونفسی وایاکم الاخیراً فان عدل فذالک ظنی بہ وعلمی فیہ وان بدل فلکل امرء ما اکتسب والخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ عہدنامہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جبکہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالم آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت ہے جب کافر مومن۔ بدعقیدہ عقیدتمند اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے عمر بن الخطاب کو اپنا ولیعہد کیا لہٰذا اُن کا حکم سنو اور مانو۔ خوب سمجھ لو کہ اس بارہ میں خدا۔ اُسکے رسول۔ اُسکے دین کی خود اپنی اور تمھاری خیرخواہی کا حق ادا کرنے کی میں نے پوری کوشش کی ہے اگر وہ عدل کرینگے تو اُنکی نسبت میرا یہی خیال اور علم ہے اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائیگا نیت میری بخیر ہے غیب کا علم نہیں۔ جو لوگ ظلم کرینگے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس

اردت ولا اعلم الغیب وسیعلم الذین	پہلو پر پلٹا کھائیں گے۔
ظلموا ای منقلب ینقلبون والسلام علیکم	اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	برکتیں۔

اس عہدنامہ کی تحریر وتشہیر کے بعد ایک شخص نے آکر حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم نے عمر کو ولیعہد مقرر کیا ہے حالانکہ تم دیکھتے تھے کہ وہ لوگوں سے تمہارے سامنے کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ اُس وقت کیا ہوگا جب وہ تنہا رہجائیں گے۔ تم اپنے رب کے پاس جارہے ہو۔ تم سے رعیت کی بابت سوال کریگا۔ حضرت صدیق اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ یہ کلام سُنکر کہا مجھکو بٹھا دو۔ بیٹھ گئے تو کہا:۔

اباللہ تخوفنی اذا لقیت اللہ قلت	کیا تم مجھکو خدا سے ڈراتے ہو میں جس وقت اللہ کے سامنے
استخلفت علی اھلک خیر	جاؤنگا تو کہونگا کہ میں تیری اُمت سے بہتر بندہ کو اپنا
اھلک۔	جانشین مقرر کرآیا ہوں۔

اس کے بعد حضرت عمر کو تخلیہ میں طلب کیا اور جو سمجھانا تھا وہ سمجھایا۔ پھر ہاتھ اُٹھاکر دعا کی:۔

اللھم انی لم ارد بذلک الا صلاحھم	اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری
وخفت علیھم الفتنۃ فعملت فیھم	کے ارادے سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ اُنمیں فساد
بما انت اعلم بہ واجتھدت لھم	نہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جسکو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے
رأیا وولیت علیھم خیرھم واقواھم	خوب وفکر کے بعد رائے قائم کی ہے بہترین اور قوی ترین
واحرصھم علی ما ارشدھم وقد	شخص کو ولیعہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست
حضرنی من امرک ما حضر فاخلفنی	روی کا خواہشمند ہے۔ میرے لئے تو کوچ کا حکم آچکا
فیھم فھم عبادک ونواصیھم	اب میں انکو تیری سپرد کرتا ہوں وہ تیرے بندے ہیں

بینکَ اصلِح الیھم وُلاتھم واجعلہ مِن خلفائِکَ الرَّاشدین وَاصلِح لَہٗ رعیتہٗ
اور اُنکی باگ تیرے ہاتھ میں ہے اے اللہ اُنکے حاکموں کو صلاحیت دے اور ولیعہد کو خلفائے راشدین کے زمرہ سے کر اور اُسکی رعیت کو صلاحیت بخش۔

یہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ روانگی شام کے وقت حضرت خالد عراق کی امارت مثنے بن حارثہ کے سپرد کر گئے تھے۔ اُنکی روانگی کے بعد اُدہر کسریٰ نے تازہ دم فوجیں بھیجیں اودھر حضرت ابوبکر کی علالت کے سبب مدینہ سے مراسلت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ حضرت مثنے نے متردد ہوکر بشیر کو اپنا نائب کیا اور خود مدینہ آپہونچے۔ جس دن وہ پہونچے حضرت ابوبکر کی حیات کا آخری دن تھا تاہم حالات مفصل سُنے اور خطرہ کا اندازہ کرکے حضرت عمر کو بلایا اور کہا کہ جو میں کہتا ہوں اُسکو سنو اور اُسپر عمل کرو۔ مجھکو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہوجائیگی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دیکر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے تمکو دین کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل سے نہ رُکنا چاہیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھکر کونسی مصیبت ہوسکتی ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ اُس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی اگر میں اُس روز حکم الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہمکو تباہ کرکے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی اگر خدا تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیجدینا اس لئے کہ وہ کارآزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہیں۔ ایک اور دوران مرض میں دریافت کیا کہ مجھکو بیت المال سے کل وظیفہ کسقدر ملا ہے حساب کیا گیا تو چھ ہزار درہم ہوئے (پندرہ سو روپیہ تخمیناً)۔ حکم دیا کہ میری زمین فروخت کرکے بیت المال کا روپیہ واپس دیدیا جائے۔ چنانچہ وہ زمین حکم دیدیا گیا۔ یہ بھی تحقیقات کی کہ بیعت کے بعد میرے مال میں کیا اضافہ ہوا۔

غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے۔ ایک اونٹنی ہے جس پر پانی آتا ہے اور ایک سوا روپیہ کی چادر۔ وصیت کی کہ وفات کے بعد یہ سب چیزیں خلیفہ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔ رحلت کے بعد جب یہ چیزیں حضرت فاروق کے سامنے آئیں تو روئے اور کہا اے ابوبکر تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے۔ قریب وفات حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا تھا۔ کہا تین پارچہ کا۔ وصیت کی کہ میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھول جائیں۔ ایک کپڑا نیا لے لیا جائے۔ ام المومنین نے کہا کہ ابا جان ہم ایسے تنگدست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔ جواب میں فرمایا کہ جان پدر نئے کپڑے بمقابلہ مردوں کے زندوں کے لئے زیادہ موزوں ہیں کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے۔ انتقال کے روز دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس روز رحلت کی تھی لوگوں نے کہا دوشنبہ کو۔ سنکر کہا کہ مجھکو امید ہے میری موت بھی آج ہی ہو۔ وصیت کی کہ میری قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بنائی جاوے۔ عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں تھا حضرت عائشہ نے حسرت سے یہ شعر پڑھا۔

وَابیَضَ یُستَسقَی الغَمَامُ بِوَجھِہٖ
رَبِیعُ الیَتَامیٰ عِصمَۃٌ لِلاَرَامِلِ

ترجمہ۔ وہ نورانی صورت جس کے چہرہ کی تازگی سے بادل سیراب ہو
یتیموں پر شفیق بیواؤں کی پناہ ہے۔

آنکھیں کھولدیں اور کہا یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آخر کلام یہ تھا:۔

رَبِّ تَوَفَّنِی مُسلِمًا وَّاَلحِقنِی بِالصّٰلِحِین اے رب تو مجھکو مسلمان اٹھا اور صالحوں سے ملا۔

۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ ہجری دو شنبہ کا دن گزرنے پر عشا و مغرب کے درمیان وفات پائی نماز جنازہ کی امامت حضرت عمر نے کی اور اسی شب کو حضرت عائشہ کے حجرہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح دفن کئے گئے کہ اُن کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے برابر رہا۔ رضی اللہ عنہ۔

عمر ۶۳ سال کی تھی ایام خلافت دو برس تین مہینے گیارہ دن۔

ذاتی حالات قبول اسلام کے وقت مالی سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ تجارت ذریعہ معاش تھی۔ اس سرمایہ کو خدمت اسلام میں صرف کرتے رہے جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو پانچ ہزار درہم باقی تھے سب ساتھ لے آئے اور مدینہ میں تجارت اور مالی خدمتِ اسلام کا شغل جاری رہا۔ وفات کے وقت نقد ایک حبہ نتھا۔ خلافت کے بعد بھی شغل تجارت قائم رہا۔ روزانہ چادریں اپنے کندھے پر لاد کر بازار کو لیجاتے اور خرید فروخت کرتے۔ چھ مہینے تک یہی عمل رہا جب مشاغل خلافت بڑھے اور فرصت مفقود ہوئی تو صحابہ کو جمع کیا اور کہا کہ خلافت کے کاروبار اب تجارت کی مہلت نہیں دیتے اور میں اہل و عیال کی پرورش کا سامان مہیا نہیں کرسکتا۔ یہ سُنکر صحابہ کرام نے اُن کے مصارف خزانہ سے مقرر کر دیئے۔ بعد غور معیار مصارف مدینہ کے ایک مہاجر کا خرچ رکھا گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مقدار وظیفہ کی کیا تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ آدھی بکری کا گوشت روزانہ معمولی لباس شرط یہ تھی کہ پُرانا لباس بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ بعض نے نقد وظیفہ کا تقرر لکھا ہے۔ نقدی کی مقدار باختلاف روایت ڈہائی ہزار درہم سالانہ سے چھ ہزار درہم تک بتائی گئی ہے۔ میں کم و بیش ڈھائی ہزار کو ترجیح دیتا ہوں۔ وجہ یہ کہ وفات کے وقت جو حساب وظیفہ کا کیا گیا اُس کے بموجب کچھ اوپر سوا دو سال کا وظیفہ چھ ہزار درہم ہوا۔ خلافت سے

سے پہلے سنح میں رہتے تھے وہیں اُنکی بی بی حضرت حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ کی سکونت تھی۔ ایک کمل کا حجرہ (چھوٹا خیمہ یا راوٹی) مکان کی بساط صرف اسقدر تھی چھ مہینے تک خلافت میں بھی اُسی میں قیام رہا۔ جس روز وہاں جانے کی باری ہوتی جاتے اکثر پیدل کبھی لپنے ذاتی گھوڑے پر عشا کے بعد جاتے صبح کو واپس آجاتے۔ خلافت سے پہلے محلہ کی لڑکیاں اُن کے پاس بکریاں لاتیں اور وہ دودھ دوہ دیتے۔ جب خلیفہ ہوکر محلہ میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھکر کہا اب یہ دودھ نہیں دوہینگے۔ سُنکر کہا ضرور دوہونگا۔ مجھکو خدا کی ذات سے اُمید ہی کہ اس منصب سے میری کسی عادت میں فرق نہیں آئیگا چنانچہ جب محلہ میں جاتے تو دریافت کرتے دودھ دوہ دوں یا بکریاں چرالاؤں۔ جیسا لڑکیاں کہدیتیں اُس کے مطابق تعمیل کرتے۔ خود اُنکی بکریاں بھی تھیں۔ کبھی کبھی اُن کو بھی لیجا کر چراتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب محلہ میں نکلتے تو بچے بابا بابا کہکر دوڑتے اور آکر لپٹ جاتے۔ جمعہ کے دن صبح کو سُنح میں ٹھر کر سر اور ڈاڑھی میں سُرخ خضاب لگاتے غسل کرتے کپڑے بدلکر مدینہ آتے اور نماز جمعہ پڑھاتے۔ چھ مہینے کے بعد سُنح کی سکونت ترک کرکے مدینہ کے مکان میں متصل مسجد نبوی سکونت اختیار کی۔ اُن بزرگوں کی روزانہ زندگی کا انداز اس حدیث سے ہوتا ہے۔

ایک روز حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کرکے دریافت فرمایا آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا۔ حضرت ابوبکر۔ میں نے۔ جنازہ کے ساتھ کون گیا حضرت ابوبکر۔ میں۔ محتاج کو کھانا کس نے کھلایا۔ حضرت ابوبکر۔ میں نے۔ بیمار کی عیادت کس نے کی۔ حضرت ابوبکر۔ میں نے۔ سُنکر ارشاد ہوا کہ یہ اوصاف جسمیں جمع ہونگے وہ جنتی ہی۔ مدینہ کے کنارہ پر ایک اندھی محتاج بڑھیا رہتی تھی۔ حضرت عمر ہمیشہ اُس کے

یہاں اس ارادہ سے جاتے کہ کچھ خدمت کریں۔ مگر جب پہونچتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی آدمی اُنسے پہلے آکر خدمت کر گیا۔ ایک روز دروازہ میں چھپکر کھڑے ہوگئے۔ وقت مقرر پر وہ شخص آیا دیکھا تو حضرت ابو بکر تھے۔ یہ خلافت کا زمانہ تھا مقررہ وظیفہ کے خرچ میں کسقدر احتیاط تھی اُس کا اندازہ اس واقعے سے کیجئے۔ ایک روز اُنکی ایک بی بی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ دام بچاکر جمع کر لوں۔ فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہوگئے تو حضرت ابو بکر کو دیئے کہ شیرینی لادو۔ پیسے لیکر کہا معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں۔ لہذا بیت المال کا حق ہیں۔ چنانچہ وہ پیسے خزانے میں جمع کرادیئے اور اُسیقدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔ مُنہ پر کوئی تعریف کرتا تو کہتے اے اللہ تو میرا حال مجھسے بہتر جانتا ہے اور تعریف کرنے والوں سے میں اپنا بہتر جانتا ہوں جو اُنکا گمان میری نسبت ہے اُس سے اچھا مجھکو کردے اور میرے وہ گناہ بخش دے جنکو یہ نہیں جانتے اور جو یہ کہتے ہیں اُس کا مواخذہ مجھسے مت کیجیو۔ اپنا سب کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ دوسروں سے کام لینے سے سخت احتراز تھا۔ انتہا یہ کہ اونٹ کی سواری میں نکیل ہاتھ سے گر پڑتی تو خود اُتر کر نکیل اُٹھاتے ایک بار لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سے کیوں نہیں کہتے۔ جواب دیا کہ:۔

ان حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ان لا اسئل الناس شیئًا۔	میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھکو حکم ہے کہ انسان سے میں کچھ نہ مانگوں۔

حلیہ:۔

رجل ابیض نحیف خفیف العارضین لا یستمسک ازارہ یسترخی عن	گورے چٹے دُبلے پتلے آدمی تھے کمر جھکی ہوئی تھی۔ تہمد کمر پر نہیں رُک سکتا تھا نیچے کو کھسک جاتا

حقوتیہ معروق الوجہ غائر العینین — چہرہ ستا ہوا آنکھیں بیٹھی ہوئیں پیشانی بلند
ناتی الجبھۃ عاری الاشاجع حسن — انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی قد موزوں۔
القامۃ۔

امام زہری کا قول ہے کہ بال گھونگرولے تھے۔ آواز دردناک تھی۔ بات بہت کم کرتے تھے جو کہتے سنجیدہ کہتے انداز کلام ذوق و محویت کی شان لیے ہوئے تھا۔ قلب نہایت رقیق و نرم تھا اسی لیے اواہ لقب تھا سخی باوقار حلیم و شجاع تھے۔ رائے نہایت سدید و صائب تھی اُس کا جوہر وہ نور ایمانی تھا جس کا نام اصطلاح شرع میں فراست مومن ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں (خلاصۃً) حضرت ابوبکر علم کتاب و سنت میں مثل دیگر علمائے صحابہ تھے۔ جس صفت میں سب سے ممتاز تھے وہ یہ تھی کہ جب کوئی مشکل مسئالہ یا مشورہ پیش آتا وہ اپنی فراست کو اُس پر غور کرنے میں صرف کرتے۔ خداوند تعالیٰ غیب سے ایک شعاع اُن کے دل پر ڈالتا جس سے حقیقت حال روشن ہو جاتی۔ اس شعاع کا ظہور لطیفہ قلبیہ سے ہوتا۔ لہذا حقیقت حال بصورت عزمیت ظاہر ہوتی۔ نہ برنگ تخیل"۔

اصول حکومت

بنیاد حکومت قرآن و حدیث تھی جب کوئی معاملہ پیش آتا اول قرآن کی طرف رجوع کرتے اگر کلام مجید میں نہ ملتا حدیث کی طرف توجہ کرتے اگر خود حدیث نہ معلوم ہوتی مجمع میں آکر دریافت کرتے کہ فلاں معاملہ میں کسی کو حدیث یاد ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بہت سے آدمیوں کو حدیث معلوم ہوتی اسپر شکر کرتے کہ میری مدد کے واسطے اسقدر سنتہ رسول کے جاننے والے موجود ہیں۔ جب حدیث بھی نہ ملتی تو صحابہ میں جو اہل الرائے اور منتخب بزرگ تھے اُن کو جمع کرکے مشورہ کرتے جس رائے پر اجتماع ہو جاتا اُسی پر کاربند ہوتے اسلام نے جو مساوات کی روح پھونکی تھی اُسکو آخر عہد تک نہایت اہتمام سے قائم رکھنے کی۔

کوشش کی۔ بیت المال کی آمدنی مساوی طور پر تقسیم کی جاتی تھی۔ اس میں جوان بوڑھے مرد یا عورت کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ انکا قول تھا:۔

تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر سمجھے	لا یحقرن احد کم احدا من المسلمین
اسلئے کہ چھوٹا سا مسلمان بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہے	فان صغیر المسلمین عند اللہ اکبر

ایک مرتبہ مجمع میں بیٹھے تھے ایک شخص نے آکر کہا "السلام علیکم یا خلیفہ رسول اللہ" سنکر کہا تمام مجمع میں خصوصیت کے ساتھ مجھکو سلام کیوں کیا۔ خلافت کے بعد جب اول مرتبہ ادائے عمرہ کے واسطے مکہ گئے تو لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے سب کو علیحدہ کر دیا اور کہا اپنی اپنی راہ چلو۔ شان تکبر سے ہمیشہ احتراز رکھا۔ ایک مرتبہ ایک فاتح امیر نے نامۂ فتح کے ساتھ دشمن کا سر بھیجا تو بہت ناخوش ہوئے۔ لانیوالے نے عذر کیا کہ ہمارے دشمنوں کا یہی طرز عمل ہے۔ فرمایا کہ ہم روم و فارس کے مقلد نہیں اس کے بعد عام ہدایت جاری کر دی کہ آئندہ صرف فتح کی خبر بھیجی جائے دشمن کا سر نہ بھیجا جائے۔ عمال کی بابت یہ اصول تھا کہ جو عامل حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تھے وہ بدستور قائم و برقرار رہے۔ سادگی اسلام کو ہمیشہ اپنا شعار رکھا۔ اس سادگی و وقار پر ہزار تکلف اور شان و شوکت نثار تھے۔ اہل ارتداد کے مقابلے سے جب اسلام کے لشکر لوٹے تو ان کے ہمراہ ذوالکلاع حمیری بھی یمن سے آئے یہ اس شاہی خاندان حمیر کی یادگار تھے جو مدتوں یمن پر جاہ و جلال کے ساتھ فرمانروا رہ چکا تھا شاہی خاندان کے دور آخر کے تکلفات و ناز و نعمت کا پورا جلوہ ذوالکلاع میں نظر آتا تھا سر پر جواہر نگار تاج تھا۔ بدن میں زریں پوشاک۔ طلائی پٹی کمر میں۔ ہمراہی بھی زرق برق لباس میں تھے۔ مدینہ آکر خلیفہ کو دیکھا تو گیروا چادریں۔ ایک باندھے ایک اوڑھے مگر اسلامی وقار و تمکین کا رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ ذوالکلاع نے لباس شاہی چھوڑ کر دلق درویشی

اختیار کرلی۔ ایک روز مدینہ کے بازار میں نکلے تو کمر سے چمڑے کی معمولی پٹی بندھی تھی۔ ایک ہمراہی نے دیکھکر حضرت سے کہا۔ کہ یہ کیا شکل بنالی جواب دیا کہ اسلام کے اثر سے لایعنی تکلفات بے لطف ہوگئے۔

عمال وکاتب

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح خزانہ کے مہتم تھے اور جزیہ کے آمدنی کا حساب انکی سپرد تھا۔ بیعت کے بعد انہوں نے کہا کہ مال کا کام خلیفہ کی طرف میں انجام ہوگا۔ خزانہ جبتک حضرت ابوبکر سنخ میں رہے وہاں رہا۔ قفل پڑا رہتا تھا۔ پہرہ نہ تھا۔ لوگوں نے کہا کہ پہرہ رکھیے تو جواب دیا قفل کافی ہے۔ جب مدینہ کی سکونت اختیار کی تو خزانہ مدینہ چلا آیا قاضی حضرت عمر تھے۔ اس عہد کی صفائی معاملات کا یہ عالم تھا کہ ایک سال تک ایک مدعی بھی حضرت عمر کے سامنے نہ آیا۔ کاتب حضرت زید بن ثابت۔ حضرت علی مرتضی۔ حضرت عثمان تھے۔ معمولی خط کتابت کا کام جو حاضر ہوتا اس سے لے لیا جاتا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس زمانے میں ان خدمات کا معاوضہ لینا سخت برا سمجھا جاتا تھا۔ جو کام کرتے محض حسبۃ للہ۔

عُمال

مقام حکومت	نام عامل
مکہ (حجاز)	عتاب بن اُسید
طائف ؍	عثمان بن ابی العاص
صنعا (یمن)	مہاجر
حضرموت (یمن)	زیاد بن لبید انصاری
خولان ؍	یعلی بن منیہ

نام عامل	مقام حکومت
حضرت ابوموسیٰ اشعری	زبید ولمع (یمن)
حضرت معاذ بن جبل	جند "
علاء حضرمی	بحرین "
جریر بن عبداللہ	نجران "
عیاض بن الغنم	دومۃ الجندل (عراق)
مثنیٰ بن حارثہ	عراق
جرش	ثور (بلاد مزینہ)

علمی کمالات وعلمی خدمات

قرآن - قرآن شریف بطور وحی تیئس برس تک تھوڑا تھوڑا حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جنکو کلام مجید پورا حفظ تھا۔ نہایت کثرت سے ایسے جنکو مختلف حصے یاد تھے۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کاتبان وحی میں سے کسی کو طلب فرماتے اور لکھوا دیتے۔ حضرت زید بن ثابت کو یہ سعادت اکثر حاصل ہوتی۔ کاغذ نایاب تھا اس لیے علاوہ کاغذ کے وحی چمڑے کے ٹکروں۔ کھجور کی چھال بکری کے شانہ کی ہڈی سپید پتھر کے ٹکروں پر بھی لکھی جاتی اور یہ لکھے ہوئے اجزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محفوظ رہتے ۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

یمامہ کے پر شر معرکہ سے یہ نتیجۂ خیر نکلا کہ کلام مجید ایک جگہ تحریر ہوکر بشکل کتاب محفوظ ہوگیا۔ اوپر سن چکے ہو کہ معرکۂ مذکور میں کس کثرت سے مہاجرین وانصار شہید ہوئے

اُن میں کثرت سے ایسے تھے جو کل یا جز قرآن کے حافظ (قرّا) تھے۔ حضرت عمر نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکر سے کہا کہ مسلمانوں کو ابھی بہت معرکے سَر کرنے ہیں اگر ہر معرکہ میں اسی کثرت سے حفاظ شہید ہوئے تو قرآن کا خدا حافظ ہے۔ آپ حکم دیجیے کہ کلام مجید ایک جگہ ضبط تحریر میں آجاوے۔ اوّل حضرت صدیق نے اس بنیاد پر تامل کیا کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اُس طرح کریں۔ مگر بحث کے بعد حضرت ابو بکر پر منکشف ہو گیا کہ حضرت عمر کی رائے صحیح ہے۔ حضرت زید بن ثابت کو طلب کر کے اوّل اپنی اور حضرت عمر کی گفتگو کا اعادہ کیا پھر کہا تم جوان ذی ہوش ہو کوئی الزام تم پر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی لکھا بھی کرتے تھے۔ لہذا تم کلام مجید لکھکر ایک جگہ جمع کر دو۔ اوّل حضرت زید بن ثابت کو بھی وہی تامل ہوا جو حضرت صدیق کو ہوا تھا لیکن مباحثہ کے بعد اطمینان ہو گیا۔ اور اُنھوں نے خدمت قبول کی۔ حضرت زید کا مقولہ ہے کہ اگر پہاڑ کو اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھدینا میرے سپرد کیا جاتا تو وہ آسان ہوتا۔ بمقابلہ اس کے کہ جمع قرآن کا بوجھ میری سر پر رکھا گیا۔ اس سے اُس احساس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت زید بن ثابت کو خدمت مفوضہ کی ذمہ داری کا تھا۔ کاشانہ نبوت سے تحریر شدہ اجزا برآمد کیے گئے۔ مزید احتیاط و غایت اہتمام صحت کے لحاظ سے حضرت زید بن ثابت اُن اجزا کا مقابلہ بار بار اُن صحابہ سے کرتے جنکو کل یا جز کلام مجید یاد تھا اور جب کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہتا تب کاغذ پر نقل کرتے غرض اسی جانفشانی و تحقیق کے ساتھ حضرت زید بن ثابت نے تمام کلام مجید کاغذ پر لکھکر ایک جگہ جمع کر دیا حضرت ابو بکر نے اُس کا نام مصحف رکھا۔ یہ نسخہ خاص حضرت ابو بکر کی تحویل میں رہا۔ حضرت ابو بکر خود بھی حافظ قرآن تھے۔ اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاتبان وحی کے زمرہ میں شامل۔ لکھنا اُس زمانے میں اسقدر کمیاب تھا کہ قریش کے اتنے بڑے قبیلے میں بقول علامہ بلاذری آغاز اسلام میں صرف

سترہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا۔ زمانۂ خلافت میں جو اشکال معانی کلام مجید کے متعلق پیش آیا اسکو حل کیا۔

حدیث۔ متعدد احادیث ایسی ہیں جو حضرت ابوبکر کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوئیں۔ اس طرح وہ اُن کے عالم وجود میں آنے کے باعث ہوئے۔ ایک سو بیالیس حدیثیں بروایت حضرت صدیق مروی ہیں ان کو امام سیوطی نے تاریخ الخلفا میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ قلت روایت کے اسباب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ لکھے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت کم زندہ رہے۔ وہ تھوڑا زمانہ بھی اور قسم کی مہمات کے طے کرنے میں گزر گیا۔ اُن کے معاصر قریباً سب صحابہ تھے جو خود عالم حدیث و روایت حدیث سے مستغنی تھے۔ تابعین بہت ہی کم تھے۔ واقعات بھی زیادہ پیش نہیں آئے۔ باوجود قلت روایت کے امہات مسائل ہیں حضرت ابوبکر کی روایتیں سند ہیں مثلاً طریقۂ نماز۔ حضرت ابوبکر سے ابن زبیر نے حاصل کیا اُنسے امام عطا نے اُنسے ابن الجریج نے ابن الجریج کی نسبت یہ قول ہے کہ اُن کے زمانہ میں اُنسے بہتر نماز کا ادا کرنیوالا نہ تھا۔ اہل مکہ ادائے نماز میں طریقۂ صدیقیہ کے پابند تھے۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ مستند روایت حضرت صدیق کی ہے۔

فقہ۔ فقہ کے متعلق اجتہاد کا قاعدہ مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستورالعمل بن گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "وے رضی اللہ عنہ شیخ و استاد جمیع مجتہدین شد بوضع ایں قاعدہ" فقہ کے جو مشکل مسائل پیش آئے اُن کو حل کیا۔ مثلاً میراث جدہ۔ میراث جد۔ تفسیر کلالہ۔ حد شرب خمر مہم شام کی روانگی کے وقت جو احکام امرا لشکر کو دیے وہ صدیوں تک امرائے اسلام کا دستورالعمل رہے۔

تعبیر رویا۔ یہ بھی ایک علم الٰہی ہے جس کا ادراک جدید روشنی میں مشکل ہے۔ وجہ یہ کہ جو لوگ

نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھا سکتے وہ نور وصفائی باطن سے محروم ہیں جس کی ضرورت اس فن کے لئے ہے۔ بہرحال فن تعبیر کے امام ابن سیرین کا قول ہے

کان ابوبکر اعبر ھذہ الامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں ابوبکر فن تعبیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔

تصوف۔ سب سے اول تصفیہ وتزکیہ باطن کے واسطے کلمہ طیبہ کا طریقہ ذکر حضرت ابوبکر نے تلقین کیا۔ حضرت جنید کا قول ہے کہ توحید میں بزرگ تر کلام حضرت ابوبکر صدیق کا یہ مقولہ ہے:۔

سبحان من لم یجعل لخلقہ سبیلاً الا بالعجز۔	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لئے سوائے عجز کے کوئی رستہ نہیں بنایا۔

کشف المحجوب میں ہے طریقہ تصوف کے امام ابوبکر ہیں انقطاع عن الاغیار جو جان تصوف ہے اُن کے اس خطبے سے عیاں ہے الا من کان یعبد محمداً الخ۔ محبت دنیا سے پاک وصاف ہونے کا شاید غزوۂ تبوک کا وہ واقعہ ہے۔ ما خلفت لعیالك۔ قال اللہ و رسولہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ آئے۔ کہا اللہ اور اُس کا رسول۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوف صدیقی کے ذیل میں حضرت صدیق اکبر کے اُن تمام اوصاف کی تفصیل کی ہے جو اساس تصوف ہیں مثلاً توکل۔ احتیاط تواضع۔ خدا کی مخلوق پر شفقت رضا۔ خوف الٰہی۔ جو صاحب شائق تفصیل ہوں ازالۃ الخفا دیکھیں ہم مضمون کے عام فہم ہونے کے سبب زیادہ تفصیل سے نہیں لکھتے۔ صرف خوف الٰہی کی ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے ایک روز درخت پر ایک چڑیا دیکھی تو حسرت سے کہا:۔

طوبیٰ لك یا طیر تاکل من شجرۃ و	اے پرندے خوشحال ہے تو جو پھل کھاتا ہے درخت
تستظل من شجرۃ و تصیر الی غیر حساب	کے سایہ میں بسر کرتا ہے حساب کتاب کا کچھ کھٹکا

یالیت ابابکر مثلک۔   یعنی کاش ابوبکر تجھسا ہوتا۔

نماز میں خشیت الٰہی کا یہ عالم ہوتا کہ ایک چوب خشک کی طرح کھڑے ہوتے۔ طریقہ نقشبندیہ جو آجتک عالم میں فیض رساں ہو اُس کا سلسلہ بواسطہ حضرت امام جعفر صادق حضرت ابوبکر صدیق تک پھونچتا ہے۔

عقائد۔ عقائد کے متعلق حضرت ابوبکر نے سب سے اوّل توحید و رسالت کا امتیاز علی الاعلان اُس وقت ظاہر کیا جبکہ خود صحابہ کرام متحیر تھے یعنی بعد وفات حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُس موقع کا خطبہ قیامت تک یادگار رہیگا۔ بعد بعیت رسالت و خلافت کے حدود صاف صاف علیحدہ قائم کر دیئے۔ خلیفہ ہونے کے بعد ایک خطبہ خاص اس مبحث کے متعلق دیا۔ اُسمیں بوضاحت بیان کیا کہ دو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں وہ مجھسے طلب نہ کرنا ایک وحی۔ دوسری عصمت اسکو اس کثرت کے ساتھ خطبوں میں ظاہر کیا کہ سامعین کے ذہن میں راسخ ہوگیا۔ علاوہ خطبوں کے اور مواقع پر بھی اس کا لحاظ اہتمام کے ساتھ رکھا۔ کسی نے اُنسے کہا خلیفۃ اللہ تو کہا:۔

انا خلیفۃ رسول اللہ وانا بہ راض   میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی سے خوش ہوں۔

ایک بار کسی پر غصے ہو رہے تھے ایک شخص نے کہا حکم ہو تو اس کی گردن اُڑادوں۔ فوراً کہا کہ یہ رتبہ خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ واقعات وفات میں پڑھ چکے ہو کہ شدت سکرات میں جب ایک مدحیہ شعر اُنکی شان میں پڑھا گیا تو آنکھیں کھولکر کہدیا کہ یہ شان رسول اللہ کی تھی۔ زکوٰۃ اور نماز میں جو تفریق قائم کرنے کی کوشش کی گئی اُسکو آغاز خلافت میں کس شدت سے روکا۔

علم انساب۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہو کہ آج انساب قریش کے متعلق جسقدر علم ہو

وہ بروایت زبیر بن بکار محفوظ ہی انھوں نے مصعب زبیری سے حاصل کیا مصعب نے بہ یک واسطہ مطعم بن جبیر سے مطعم نے حضرت ابوبکر سے۔

بلاغت خطب۔ مورخین کا قول ہی کہ صحابۂ کرام میں فصاحت خطبہ میں دو صحابی سب سے ممتاز تھے ایک حضرت ابوبکر دوسرے حضرت علی مرتضیٰ۔

بعض مقولے :-

لا یحقرن احدکم احداً من المسلمین	تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ خیال کرے
فان صغیر المسلمین عند اللہ اکبر۔	اسلئے کہ چھوٹا سا مسلمان بھی خدا کے نزدیک بڑا ہی۔
وجدنا الکرم فی التقویٰ والغناء فی	ہمنے بزرگی تقوی میں۔ بے نیازی یقین میں
الیقین والشرف فی التواضع۔	اور عزت تواضع میں دیکھی۔

ایک خطبے میں حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے تھے جو آجکل ہر مسلمان کا دستور العمل بننے چاہیئیں

ولا تقاطعوا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا	باہم قطع تعلق مت کرو بغض نہ رکھو۔ حسد مت کرو
وکونوا عباد اللہ اخواناً کما امرکم	اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ جیسا کہ تمکو حکم ہی

حضرت خالد بن ولید کو ایک موقع پر نصیحت کی :-

فر من الشرف یتبعک الشرف واحرص	جاہ و عزت سے بھاگو عزت تمھارے پیچھے پھریگی موت
علی الموت توہب لک الحیوٰۃ۔	پر دلیر رہو تمکو زندگی بخشی جائیگی۔

محبت رسول | حضرت صدیق اکبر محبت رسول میں غرق تھے۔ حضرت عروہ نے روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے سال حضرت ابوبکر نے ایک روز خطبہ دیا اُس میں یہ الفاظ زبان سے نکلے :-

انی سمعت نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم	یعنی میں نے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

عام الاوّل۔ پارسال سناہی۔

پارسال کے لفظ سے حادثۂ وفات یاد آگیا بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور بیتاب ہوگئے سنبھلکر پھر خطبہ کا سلسلہ درست کیا پھر اُن الفاظ سے دل پر چوٹ لگی اور مضطرب ہوگئے تیسری دفعہ ضبط کی کوشش کی اور خطبہ ختم کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اَنّا حضرت ام ایمن کے پاس تشریف لیجایا کرتے تھے بعد خلافت حضرت ابوبکر نے ایک دن حضرت عمر سے کہا:۔

انطلق بنا الی ام ایمن نزورھا کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا — چلو سنت نبوی کی پیروی کریں اور ام ایمن سے چلکر ملیں۔

وہاں پہونچے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں نے کہا روتی کیوں ہو اللہ کا تقرب اُس کے رسول کے واسطے بہتر ہے۔ کہا یہ میں بھی جانتی ہوں۔ صدمہ اس کا ہے کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ سُنکر دونوں صاحب رونے لگے۔ امام سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کا اصلی سبب وفات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تھی۔ اس صدمے سے گھُلتے رہے یہاں تک کہ انتقال ہوگیا۔

ازدواج و اولاد

حضرت ابوبکر نے چار شادیاں کیں۔ دو زمانہ جاہلیت میں دو بعد اسلام ایام جاہلیت کی بیبیاں قتیلہ اور ام رومان تھیں۔ قتیلہ قبیلہ بنی عامر سے تھیں۔ اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں۔ ام رومان مالک بن کنانہ کی اولاد سے تھیں۔ اسلام لائیں ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر اُن کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے چند روز کے بعد مدینہ بلالیا۔ ذی حجہ سنہ ۶ ہجری میں بمقام مدینہ رحلت کی۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے دفن کیا۔ زمانہ اسلام میں ایک شادی ام رومان کی وفات کے بعد اسماء بنت عمیس سے سنہ ۸ ہجری میں کی۔ دوسری شادی حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے

حضرت ابوبکر کی وفات کے وقت یہ دونوں بیبیاں زندہ تھیں۔ اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں
اولاد میں سب سے بڑے حضرت عبدالرحمن۔ ام رومان کے بطن سے سنہ ۵۳ ہجری میں وفات
پائی۔ دوسرے لڑکے عبداللہ قتیلہ کے بطن سے۔ غزوۂ طائف میں حضرت سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہمرکاب شریک تھے۔ تیر کا زخم پاؤں میں لگا اسی کے صدمے سے شوال سنہ ۱۱ھ
میں انتقال ہوا۔ تیسرے لڑکے محمد ہیں یہ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ انکی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں
قاسم ان کے صاحبزادہ تھے جو فقہاء سبعہ میں ہیں لڑکیوں میں سب سے بڑی حضرت اسماء تھیں
انکی والدہ قتیلہ حضرت زبیر کے ساتھ شادی ہوئی۔ سترہ آدمیوں کے بعد دائرہ اسلام میں شامل
ہوئیں۔ دوسری لڑکی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت عبدالرحمن کی
حقیقی بہن تمام ازواج مطہرات میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں۔
انکا علم و فضل مسلم ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ جو آٹھ بزرگ صحابہ کرام میں اجتہاد
فقہ میں ممتاز تھے اُن میں حضرت عائشہ بھی تھیں۔ تیسری لڑکی ام کلثوم ہیں۔ انکی والدہ بنت
خارجہ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ لڑکوں میں سلسلۂ نسل حضرت عبدالرحمن اور محمد
سے چلا۔ حضرت عبداللہ کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۱۴ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۱ ہجری نبوی

وما علینا الا

البلاغ

مسلمانوں کے تنزل کے اسباب اور خلافت عثمانیہ کے تاریخی واقعات اور اسکے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات پر تفصیلی بحث اور آئندہ کے لئے مفید ہدایتیں

مولفہ

مولنا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری

باہتمام مولوی رشید احمد صاحب مضطر

مطبع احمدی علی گڈھ میں طبع ہوا

پبلشر محمد فاروق بی۔ ایس۔ سی دفتر اولڈ بوائے علی گڑہ قیمت مع محصول ڈاک چار آنہ چھ پائی

صحت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۹۰۲	ندسیں					
۷	۲	مرتبلو					
۹	۹	ید ان	یہ ابرار				
۱۰	۳	ہمیں	جہن	//	۶	ب ن	چپا ن
//	۴	موجد	موجد	//	۱۲	لکچرر	لکچر
//	//	تست	ست	//	۱۷	ملتی	ملی
//	۹	کرنیرانا	پرانی	//	۱۸	خصائص	خصائص
۱۳	۶	مفقود	مقصود	۲۰	۵	اکناف	کناف
//	۱۸	نیکہ	لیکن	//	۷	اعلا	اعلی
۱۴	۱	کمبراتے	گھبراتے	//	۱۵	النب	النسب
//	۱۶	نفرماتا	نفرمایا	//	۵	ابہم	ابہم
۱۵	۱۰	کیا جاتے ہیں	کئے جاتے ہیں	۲۳	۳ و ۴	ملتی	ملی
//	۱۲	رنیکن	رنگین	//	۱	جاسیت	جامعیت
//	۱۴	مسکرانہ	متکبرانہ	۲۴	۴	عسرت	عشرت
//	۱۶	قمیض	قمیص	//	۵	چاہتی	چاہتی
//	۱۹	محقق	مختفی	۲۵	۸	حابل	جاہل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
		ہوتا	ہوتا
		ان	اُن
	۶	ذرکر	دیکر
	۷	قربیاں	قربانیاں
	۹	ین	میں
۴۲	۱۰	ان تمام جگہوں میں	دینی
۴۱	۱۷	بلکہ منکرات	منکرات
۴۰	۸	کاشت	کاست

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
			ل
״	۶	فراد	افراد

البلاغ

مؤلفہ

مولنا سید سلیمان اشرف صاحب

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

برموجب عقل زندگانی کردن — باید کردن و سے لے ندانی کردن
استادتو روزگار چابکدست است — چنداں بہ سرست زندہ کہ دانی کردن

کارخانۂ عالم ایک تعلیم گاہ ہی۔ اور حوادث یومیہ کا درس قانون قدرت کا زبردست مدرس ہر آن ہمیں دیا کرتا ہی جس نے صحیفۂ ہستی کا مطالعہ کیا اور سمجھا وہ کامیاب ہوا۔ اور جس نے اس سے کچھ بھی چشم پوشی کی اُس نے ناکامی کی ایسی ٹھوکر کھائی کہ قعر نیستی میں گر کر پھر نہ سنبھلا۔

یہ جابر زبردست مدرس کبھی اس کا خیال نہیں کرتا کہ گرا کون اور سنبھلا کون اس کا درس ہمیشہ اُسی سرگرمی سے جاری رہتا ہی۔ اور غافل سست، کاہل۔ تعیش پسند اور ناعاقبت اندیش جماعت فنا ہوتی جاتی ہی۔ اور عاقل چست۔ محنتی مآل بیں طبقہ وجود میں آکر بقا کا لطف اُٹھاتا ہی۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہی جسمیں نہ کسی بُرہان کی حاجت نہ دلیل کی ضرورت۔ مشاہدات یومیہ اس پر شاہد عدل ہیں۔

آؤ اب تھوڑی دیر کے لیے اس درس گاہ میں ہم جماعت اسلامیہ کو دیکھیں کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ آیا اُس استاد کے سبق سے یہ بیداری اختیار کرتی ہی یا ایک خوشگوار فسانہ سمجھکر اپنی نیند کا ذریعہ جانتی ہے۔ آہ! افسوس! یہاں تو عجیب

وحشتناک سماں ہے۔ دیکھو دیکھو شرق سے تا غرب تمام جماعت اسلامیہ بے طرح پاؤں پھیلائے بے خبر سو رہی ہے کہ موت کی صدا بھی انھیں بیدار نہیں کرتی۔ انا للہ ثم انا للہ۔ مرتے جاتے ہیں مگر انھیں خبر نہیں۔ فنا ہوتے جاتے ہیں مگر آگاہی نہیں نیست کیے جا رہے ہیں مگر احساس و شعور نہیں۔ تمہیں حیرت ہوگی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ تو اپنے استاد کے بڑے شوق سے تلامذہ تھے۔ آج ان پر یہ شامت کیوں ہے؟ ان کا وجود تو تخلیق عالم کا نتیجہ حاصل تھا! انکی ہستی دیگر افراد کے لئے برہان و نمونہ تھی! ان سے مدرسہ عالم کی زینت اور دنیا کی رونق تھی۔ آج یہ کیوں تباہ کئے جاتے ہیں؟ ان کا نام کیوں محو ہو رہا ہے؟

اس کا سچا و صحیح جواب یہ یاد رکھو کہ ایک مدت سے سبق سیکھنا اور استاد کی باتوں پر کان لگانا انھوں نے چھوڑ دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا جو ہو رہا ہے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کون سے ان کی بد شوقی کب سے شروع ہوئی ہے۔ گو یہ ایک ایسی طویل داستان ہے جس کے لئے بہت وقت اور دفتر درکار ہوں گے لیکن سلسلے کے لئے صرف یہ ایک نشان کافی ہے کہ جب سے مسلمانوں میں خود بینی پیدا ہوئی اور شاہانہ رنگ آیا تقوے نے جو تمام محاسن اخلاق کی روح ہے کم ہو گیا۔ اسی وقت سے بے توجہی بھی ہو گئی۔ ادھر زمانے سے سبق لینا انھوں نے کم کیا۔ ادھر استاد نے آہستہ آہستہ انھیں مراتب عالیہ سے گرانا شروع کر دیا۔ گو ایک مدت تک ان کی پستی بھی دوسروں کی بلندی سے بلندی رہی مگر تا بکے؟ اسی حالت میں بنو امیہ اور خلفائے عباسیہ کا دورہ ختم ہو جاتا ہے اور آل عثمان کا زمانہ آتا ہے۔

محمد عثمان خان، جو خاندان ترکیہ کا پہلا فرمانروا ہے جس وقت بادشاہ ہوا ہے، تو تمام ممالک اسلامیہ کا شیرازہ عجب ابتری کے ساتھ درہم و برہم تھا

ایران میں متعدد حکومتیں تھیں، بغداد الگ پراگندہ ہو رہا تھا، اور قبائل عرب میں عجیب طرح کی باہمی کشاکش پیدا ہو گئی تھی۔ اس جواں مرد نے اپنے قوت بازو اور زور تدبیر سے بہت سی الجھنوں کو سلجھایا اور بکھری ہوئی طاقتوں کو ایک مرکز پر مجتمع کیا۔ مگر پیچ در پیچ پیچیدگیاں ایسی تھیں جس کے انہماک نے اس قوم (فرنگ) کو اُستاد ہی کے سبق سیکھنے کی فرصت نہیں دی۔ اولاً وہی مادۂ شقاق و نفاق اور انا خیر منہ جس نے اسلامی قوت کو پہلے ہی سے منتشر و مضمحل بنا رکھا تھا اور جس کا نتیجہ اپنے ملکوں میں بغاوت، مختلف صوبوں کی خودسری اور سلاطین کی باہمی جنگ و جدال تھا۔ ثانیاً سیاست سے ملت کا علیحدہ ہو جانا

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سیاست قوانین الٰہی کی محکوم ہے۔ ایک مسلمان کی تلوار خدا کے حکم سے اُٹھتی ہے اور اُسی کے حکم سے نیام میں جاتی ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کی تلوار کبھی بڈھوں، بچوں اور عورتوں پر نہیں اُٹھتی۔ دشمن جو قتل و غارت کی غرض سے آتا ہے اس کو جواب البتہ کلمہ سیف دیا جاتا ہے۔ مگر جس سے معاہدہ امن کا ہو جائے یا صلح ہو جائے تو اُسکی آبرو، اُسکی جان، اُس کا مال سب اسلامی سیف کے امان میں ہے۔ اسلام اپنے متبعین کو مالک علم و عمل صاحب سیف و قلم دونوں بناتا ہے اور تمدید و تعزیر بھی۔ متنبی کہتا ہے

الخیل واللیل والبیداء تعرفنی والحرب والضرب والقرطاس والقلم

ایک سید و پرہیزگار صلح جو امان پسند کے لئے اسلام کے ہاتھ میں علم جھنڈا امن و امان کا ہے جو زبان حال سے کہہ رہا ہے۔ ع

بے حجابانہ درآ از در کاشانۂ ما

لیکن ایک سرکش بدباطن ظالم و غدار کے لئے خونی جھکانی تلوار کا قبضہ دوسرے

ہاتھ میں ہے۔

مگر جب سیاست نے ملت کا اثر کم ہوگیا تو بعض اہم اصول جو مذہب نے ہمارے وجود کے لئے ذہن میں سکھلائے تھے ہمارے ہاتھوں سے ایسے کھوئے گئے کہ پھر نہ ملے۔ چنانچہ جب اتفاق و اتحاد کا مسئلہ جب ہماری نگاہوں میں سبک ہوگیا تو اُس کا اولین نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوت جو ایک جگہ جمع تھی تین حصوں میں منقسم ہوگئی بنی فاطمہ مصر کے فرمانروا ہوئے۔ بنو امیہ اندلس میں حکومت کرنے لگے بنو عباس بغداد میں خلیفہ مانے گئے۔ اس انقسام کا نتیجہ چند ہی روز میں ظاہر ہوگیا۔ بغداد کی خلافت تاتاریوں کے حملہ سے تباہ ہوئی۔ بنی فاطمہ کی حکومت پر چراکسہ قابض ہوگئے اور بنو امیہ سے صلیب پرستوں نے اندلس خالی کرالیا۔ مگر اب بھی مسلمانوں کو مذہب کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔

اب ترکی حکومت کے آغاز پر نظر ڈالو۔ اس زمانہ میں جبکہ عثمان خاں اپنی متفرق طاقت کو مجتمع کر رہا ہے تاکہ دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ تم دیکھو گے کہ بجائے اسکے کہ منتشر طاقتیں سمٹکر ایک ہوں۔ ایک دوسرے کو فنا کرنے کے درپے ہے۔

باوجود اس کے کہ تمامی دنیائے اسلام دیکھ رہی تھی کہ اسوقت اسلام کو دو قومیں سخت درندگی کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔ ایک تاتار۔ دوسرے عیسائی اور جب کبھی ان دونوں میں سے کسی ایک کو کچھ بھی موقع مل جاتا ہے تو فوراً مسلمانوں سے دست و گریبان ہوجاتے ہیں۔ پھر بھی ایک اسلامی حکومت دوسری اسلامی حکومت کو استوار ہونے کی مہلت دینا اپنے لئے موجب عار سمجھتی رہی آل عثمان اور اہل ایران میں جو شدت خون متعدد مقامات پر مختلف اوقات میں ہوئے اور جس قدر جانیں تلف ہوئیں۔ شاید اتنے مسلمان تاتاریوں اور

عیسائیوں کے ہاتھوں سے بھی نہ شہید ہوئے ہونگے۔

اس قسم کے باہمی مقاتلوں کو قیاس کرنے کے لئے صرف ایک واقعہ بیان کردینا کافی ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہوجاوے کہ قوتوں کا استعمال کس بُری طرح ہوتا تھا۔

بایزید یلدرم، جو عثمانیوں کا چوتھا بادشاہ ہے، اُس سے اور امیر تیمور گورگان صاحبقران سے ایک ادنیٰ بات پران بن ہوگئی۔ تیمور ایک لشکر جرار لیکر سلطان بایزید پر چڑھائی کرتا ہے۔ اُدھر سے سلطان بایزید اپنی پوری طاقت سے حملہ کا جواب دینے کے لئے روانہ ہوتا ہے۔ دونو سلطنتوں میں معرکہ کا رزار گرم ہوا، خون کے دریا بہ گئے اور بڑے بڑے شجاع وبہادر دنیائے دوں سے دادِ شجاعت دیکر عالم بقا کو چل بسے۔ آخر سلطان کو شکست ہوئی اور امیر کے سپاہیوں نے بایزید کو گرفتار کرلیا۔ سلطان اس صدمہ رنج فرسا کو برداشت نہ کرسکا اور شدت رنج کے باعث تپ محرقہ میں مبتلا ہوکر چند ہی دنوں میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ امیر نے بھی اپنی فتحمندی پر نازاں اپنے ملک کیطرف مراجعت کی۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنا قدم یورپ میں جما لیا ہے اور عیسائیوں سے جنگ برابر جاری ہے۔ نصرانی سلطنتیں، باوجود باہمی عداوت کے مسلمانوں کے فنا کردینے پر قسمیں کھائے بیٹھی ہیں۔ قیصر روم جو تمام شاہان نصاریٰ کا سرتاج ہے، مسلمانوں سے کئی بار مغلوب ہوچکا ہے مگر اپنی خون آلود نگاہیں اُن مسلمانوں پر ڈال رہا ہے جنھوں نے یورپ کے ایک حصہ پر صلیب کی جگہ توحید کا علم نصب کررکھا ہے۔ اس وقت عثمانیوں کا پایۂ تخت بروصہ تھا۔

ان تمام عہدوں میں تم مسلمانوں کے باہمی جدال وقتال کا پرحسرت نظارہ دیکھوگے اور لا تحاسدوا ولا تباغضوا وکونوا عباد اللہ اخوانا

کا اثر زائل ہوتے ہوئے پاؤ گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھو گے کہ ابتک انھیں یہ ضرور یاد ہے کہ لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء اسی وجہ سے ابھی تک اُن قوموں کے دامِ محبت میں جسکے ہر تار و پود فریب و تدلیس سے بُنے ہیں، گرفتار نہیں ہوئے ہیں جس کے باعث فتوحات کا سلسلہ برابر مختلف اطراف عالم میں جاری ہے۔ ایک مسلمان بادشاہ ہندوستان میں بتوں کو سرنگوں کرتا ہوا توحید کا جھنڈا اوڑاتا ہوا داخل ہوتا ہے، تو دوسرا قسطنطنیہ میں نعرہ اللہ اکبر بلند کرتا ہوا گرجاؤں اور کنیسوں کو تثلیث کے تسلط سے پاک و صاف کرتا ہے۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا زمانہ تھا ؎

یاد ایامیکہ در کوچہ مکانے داشتم + مچو بلبل در چمن ہم آشیانے داشتم

قسطنطنیہ ایک قدیم شہر ہے جسکی بنا شاہ بیزنس نے جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے ۶۵۸ برس پیشتر تھا، ڈالی تھی۔ اور اس کا نام اپنے نام پر بیزنسیہ رکھا تھا۔ جب عیسائیوں کا غلبہ ہوا اور قسطنطین اکبر نے ۳۲۰ء میں اس شہر کو فتح کیا تو پہلے نام کو بدلکر اس کا نام قسطنطنیہ رکھا۔ یہ شہر خلیج بحر اسود پر واقع ہے شمال کی جانب یکے بعد دیگرے تین فصیلیں ہیں باقی تین جوانب سے دریا محیط ہے اس لئے یہ جگہ قدرتی طور پر بہت ہی محفوظ ہے۔ تھوڑی تیاری و ہوشیاری بھی ایک لشکر جرار کا منہ پھیر دینے کے لئے کافی خیال کیجاتی ہے۔

اسی لئے مسلمانوں کی نگاہ نے اس کی جانب پہلی ہی صدی میں توجہ کی چنانچہ حضرت امیر معاویہ نے ایک لشکر اسکی طرف اپنے زمانہ حکومت میں روانہ فرمایا۔ جنگ کچھ دنوں تک جاری رہی لیکن سردی کی شدت نے بغیر فتح کے لشکر اسلامی کو مراجعت پر مجبور کیا۔ چونکہ اس وقت فتوحات کا دروازہ مسلمانوں پر کھلا ہوا تھا اسلئے یہاں سے پلٹ کر دوسری طرف

متوجہ ہوگئے اور قسطنطنیہ کی فتح کو کسی اور موقع کیلئے اٹھار کھا۔
مگر اس لڑائی کا ایک واقعہ قابل الذکر ہے۔ جس سے قرن اولے کے مسلمانوں کی سطوت ورعب کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔ وہ لشکر جو امیر شام نے قسطنطنیہ روانہ کیا تھا اس میں حضرت ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) جو نبی کریم (علیہ الوف الصلوٰۃ والتسلیم) کے بڑے برگزیدہ صحابی تھے اور جنھیں یہ فخر حاصل تھا کہ پہلے پہل مدینہ طیبہ میں جب آقائے دوعالم کے مبارک قدم ہجرت فرما کر تشریف لائے۔ تو آپ ہی کے مکان پر اقامت فرمائی اور مہمان ہوئے۔ آج اس لڑائی میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ انصاری میزبان شہید ہوتا ہے۔ اور مسلمان اس کا مزار مقدس قسطنطنیہ میں بنا کر بڑے غدغہ اپنے ملکوں میں واپس آتے ہیں۔
ایسے میں نصارے یہ گفتگو کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی حماقت دیکھو۔ اپنے ایک بزرگ کا مقدس مزار ہم عیسائیوں کے شہر میں جہاں بجز دشمن کے دوست کا نام بھی نہیں۔ کس بیباکی سے چھوڑے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے منہ موڑتے ہی ہم اس مردے کی لاش کو قبر سے باہر نکال کر پھینک دینگے اور ہر طرح کی بے حرمتی جو بن آئیگی کر گذرینگے۔
اتفاقاً یہ خبر مسلمانوں تک پہونچی۔ سپہ سالار اسلام نے عیسائیوں سے کہلا بھیجا کہ خبردار اس حماقت کا کبھی وہم بھی نہ کرنا۔ ورنہ یاد رکھو کہ تمام ملک شام وبیت المقدس میرے قبضہ میں ہے۔ تمہارے بزرگ ومقدس اسلاف کی قبریں میری حکومت میں ہیں ایک قبر کی تم بیحرمتی کروگے ہم تمہارے تمام بزرگوں کی قبروں کو اوکھیڑ کر تہ وبالا کر ڈالیں گے۔ اس جواب کے سنتے ہی عیسائیوں پر وہ رعب چھایا۔ کہ انھوں نے مسلمانوں کو پیام دیا کہ مہربانی فرما

آپ قبر کو خاص علامات سے محیط کرتے جائے - ورنہ کہیں تم لوگوں کو شبہ بھی ہوگیا - تو ہماری اسلاف کے مزاروں کی خیر نہیں - اس واقع کے آٹھ سو برس بعد تک عیسائی قابض رہے - مگر کسی کو جرأت ایک مشت خاک کے بھی بدل کرنے کی نہ ہوئی -

عزیزو - ایک وہ زمانہ مسلمانوں کے جاہ و جلال ہیبت و عظمت کا تھا اور ایک یہ وقت اب آپہونچا - کہ اٹلی جیسی بزدل قوم مسلمانوں کو یہ دھمکی دے کہ طرابلس سے دست بردار ہو جاؤ - ورنہ خانہ کعبہ اور روضہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر گولہ باری کرونگا - خاکش بدہن - یہ تو اُسکی جرأت و بیباکی - اور ہماری بے شرمی و بے حسی اس صدا کو - نغمہ دلفریب سمجھا غیرت اسلامی و حمیت ایمانی بس اسیقدر تھی کہ دو منٹ کیلئے - غافل قلب و آلودہ زبان سے دست بدعا ہو گئی اور اسلام پر اپنے پندار میں بہت کچھ احسان و کرم کر لیا - آہ

ایک ہمارے اسلاف تھے جنھوں نے اسلام کی ایک ایک ادا پر اپنی بیشمار قیمتی جانیں قربان کر کے اُسکی عظمت و عزت کو قائم رکھا - اپنے خون سے اصحاب رسول و اہل بیت پیغمبر نے سینچ سینچ کر اس درخت کو ایسا سرسبز کیا کہ اُسکے پھولوں کی مہک اس کے پھلوں کا ذائقہ منکرین تک کے دماغ کو معطر کرتا کام و زبان کو حلاوت بخشتا اسی باعث جوق در جوق مشرک عیسائی یہودی اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے -

اگلوں نے اسلام کی عزت کی اسلام نے اون کو عزت بخشی جب وہ اپنا کام کر چکے تو اللہ کی امانت پاک اسلام اپنے پچھلوں کو سونپ گئے اور خود اسلام پر سے نثار ہو کر آیندہ آنے والی نسلوں کو ایک بلیغ سبق دیکر جہاں کیلئے پیدا کئے گئے تھے یہ کہتے ہوئے وہاں چل بسے -

جان دی دی ہوئی اُسیکی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آج ہم اگر اون کی عزت و حمیت کا اپنے جوش وحیا سے مقابلہ کریں تو شاید اس قدر ہم بیحیا و بزدل ثابت ہونگے کہ بیحیائی وجبن کو بھی ہم سے ندامت آئیگی ۵ در مدرسہ کس را نہ رسد دعویٰ توحید۔ منزل گہ مرداں موحد سر دار است

گذشتم از سر حال و آمدم بر سر قال

صاحبو۔ قسطنطنیہ پر جو حملہ کہ پہلی صدی میں کیا گیا تھا وہ اوس کی فتح کی تمہید تھی۔ اوس کے بعد برابر مسلمان حملہ کرتے رہے بالآخر ۸۵۷ ہجری میں سلطان ابو المعالی محمد خاں ثانی اوس جگہ جہاں صدیوں تک صلیب و تثلیث کا پھریرا لہرایا تھا توحید کا جھنڈا بلند کرتا ہے۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

شہر فتح ہو جانے کے بعد سلطان محمد فاتح حکم نافذ فرماتا ہے کہ ایک مسجد عالیشان اوس جگہ طیار کیجائے۔ جس جگہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس ہے اور اس وقت سے قسطنطنیہ کا نام اسلام بول و استنبول مشہور ہوا۔ جب مسجد طیار ہوگئی تو فاتح سلطان بروز جمعہ اوس مسجد میں جس کا نام مسجد ایوبیہ رکھا گیا تھا تشریف لائے شیخ الاسلام نے اپنے ہاتھ سے شمشیر سلطان کی کمر سے باندہ دی۔ اُس دن سے یہ معمول آج تک چلا آرہا ہے کہ آل عثمان کا جب جدید بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے تو مسجد ایوبیہ میں حاضر ہوتا ہے اور اس وقت کا شیخ الاسلام اس کے کمر سے تلوار باندھتا ہے کاش یہ رسم بہت قرنوں تک قائم رہے۔

ظاہرا یہ اسباب ترقی کے معلوم ہو رہے ہیں اور قصر اسلامی کی فتوحات جدیدہ سے منزلیں بڑھتی جاتی ہیں مگر نفس الامر میں بنیاد روز بروز کھوکھلی ہوتی جاتی ہے۔ اسلئے کہ عدم اتفاق و باہمی مقاتلے کے سبب ملک کو فراغ نصیب نہیں تھا۔

کبھی مصر میں بغاوت ہوتی ہے۔ کبھی بغداد میں۔ ایرانیوں سے کبھی لڑکر مانہیں مضمحل ہوتے ہیں کبھی عربوں سے۔ اُس پر ہر چہار سمت سے عیسائیوں کا نرغہ ایسی حالت میں جبکہ اطمینان مفقود سکون کوسوں دور ہو۔ ملک میں کیا ترقی ہوسکتی ہے۔ انتشار وجنگ کے باعث نہ علوم سیکھ سکے نہ تجارت قائم کرسکے۔ اور حریف عیسائی علوم وتجارت سے آہستہ آہستہ اپنے کو مضبوط کرتے رہے۔ کبھی ان ایام میں مسلمانوں نے ایک دوسرے کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ ایک دوسرے کے فنا کرنے پر تلا رہا۔ گو یہ فیصلہ کرنا تو مشکل ہی ہے کہ زیادتی کس کی جانب سے ہوتی تھی اور شاید ہمیں اسکی چنداں ضرورت بھی نہیں کیسے ہی ہوتے تو سب مسلمان۔ ایک اسلامی سلطنت دوسرے اسلامی سلطنت پر کیوں نظر ڈالی۔ اور خاص کر اوس وقت جبکہ دشمن جان وایمان کی زمینیں موجود ہوں اور وہ برسرپیکار بھی ہوں۔

محاسدہ اور منافرہ اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ اوس زمانہ میں جبکہ سلطان محمد سلیم خاں استنبول کا فرمانروا ہوتا ہے اور مصر کو ظالم چراکسہ کے ہاتھوں سے نجات دیکر خادم الحرمین الشریفین وخلیفۃ المسلمین کا لقب قوم سے پاتا ہے سلیم شاہ ہندوستان کا بادشاہ ہوکر اپنا لقب جہانگیر رکھتا ہے اور وجہ اس لقب کی یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں نہیں پسند کرتا کہ میرا ہمنام ہو اور سلطان کہلائے۔ غضب خدا کا مشارکت اسمی بھی گوارہ نہیں۔ جب دور دست بادشاہوں کے حسد کا یہ حال ہو تو قرب وجوار کے روساء وسلاطین کے حسد کا کیا پوچھنا۔

اب اس سے بھی زائد تاسف وتحسر کا زمانہ سلطان محمد سلیم خاں ثالث کا آتا ہے یہ بادشاہ ۱۲۰۳ھ ہجری میں آل عثمان کے تخت کا وارث ہوتا ہے۔ اور فوجی درستگی ودیگر معاملات ملکی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے۔ روسیوں سے کچھ لڑائی ہوکر صلح ہوجاتی ہے لیکن ایک افتاد یہ پیش آتی ہے کہ انھیں دنوں میں نپولین

فرانس سے اٹھتا ہے اور تمام بلاد یورپ کو ہلا ڈالتا ہے۔ خصوصاً انگلینڈ پر جس کی آتش فشاں نگاہیں عجب شعلۂ غضب ڈال رہی ہیں۔

اسے امر اتفاقی کہئے یا تقدیری کہ سلطان محمد سلیم خاں ثالث اور نپولین میں رابطہ اتحاد قائم ہو گیا۔

نپولین سلطان کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ فوج کی آراستگی جدید طریق پر کرنی چاہئے آلات حرب طرز قواعد و وضع لباس سب یوروپین انداز پر بنائے جائیں اور ہر ملک اپنے قدیم وضع پر نازاں ہے۔ اور اون ہی پرانے اسلحہ پر مغرور رہا اور دنیا کا قدم ہر روز ایک ترقی کا وسیع میدان طے کر رہا ہے۔ اور نت نئے اوزار و اسلحہ کی ایجاد سے کہ پرانے ہتھیار بیکار و فضول بوجہ ثابت ہو رہے ہیں۔

سلطان کو نپولین کا مشورہ اسلئے پسند آیا۔ کہ اس نے اپنے ہر چہار سمت دشمنان دول یورپ کو جدید آلات حرب سے اپنے پرانے اسلحہ کو بیکار کرتے ہوئے دیکھا۔ فوراً آمادہ و مستعد ہو کر بطرز جدید آراستگی فوج میں مصروف ہوا لیکن اسی جگہ یہ غلطی سلطان سے ضرور ہوئی کہ اصلاح تدریجی کو کام میں نہ لا کر ایکبارگی لباس۔ طرز قواعد و اسلحہ سب متغیر کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ جسکے لئے ملک ہرگز آمادہ نہ تھا۔ سلطان محمد سلیم خاں ثالث سے پیشتر جو رخنے کہ ایوان اسلام میں پڑ گئے تھے وہ صرف باہمی نفاق و عداوت کے نتیجے تھے۔ اس نااتفاقی اور ہر روز کی خانہ جنگی نے مسلمانوں کی کمریں شکستہ کر دیں تھیں۔ مگر اس تبدیل لباس کے اختلاف نے تو وہ زخم ہائے کاری سر پر پہونچائے کہ آج تک اوس کا چکر سر گرداں کر رہا ہے۔ کہیں خدانخواستہ یہ زخمی ہیرو اکر گر نہ پڑے۔

قوموں کی اصلاح جب کبھی کسی سچے و مخلص مصلح نے کی ہے تو ہمیشہ آہستگی کو مد نظر رکھا ہے۔ چنانچہ آفتاب اسلام نے جس وقت اپنی نورانی شعاعوں سے ظلمات

کفر و اوہام پرستی کا استیصال شروع کیا ہے تو اصول تدریج و آہستگی کا پورا پورا عمل ہیں دکھلائی دیتا ہے۔

چنانچہ ارکان خمسہ آج بھی اُسی تدریج و آہستگی کا ہیں بق دے رہے ہیں۔ مثلاً ایک مشرک اگر دائرہ اسلام میں آنا چاہے تو پہلے اُس پر کلمۂ شہادت فرض ہوتا ہے پھر نماز کا وقت آنے سے نماز اور ماہ صیام آنے سے صوم وغیرہ۔

حضرات جن کی نگاہیں مآل بیں نہیں ہوتیں۔ یا نفس الامر میں اصلاح مقصود نہیں ہوتا بلکہ اصلاح کے پردے میں افساد مد نظر ہوتا ہے وہ ہمیشہ شدّت سے کام لیتے ہیں اور ایکبارگی انقلاب کلی چاہتے ہیں اور اس زریں اصل کا لحاظ نہیں کرتے۔ اسوقت سلطان کی نگاہوں سے بھی یہی نکتہ نظر انداز ہوگیا۔

سلطان نے اٹھارہ ہزار فوج بطرز جدید طیار کی۔ دو ہزار تو خاص قسطنطنیہ میں تھی اور سولہ ہزار شہر قرمان میں زیر کمان قاضی پاشا۔ اور اس نئی فوج کا نام سلطان نے نظام رکھا۔ نپولین نے بعض ماہرین جنگ سلطان کی خدمت میں بھیجے تاکہ افواج سلطانی کی بطرز جدید تعلیم کریں اور اپنے اظہار محبت میں اس طرح کے چند کلمات لکھے کہ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہارے دوست کا دوست۔ جس نے تم سے دشمنی کی وہ بعینہ میرا دشمن ہے۔ تم مطمئن رہو عنقریب اور بھی عمدہ اوستاد فوجی تمہارے پاس بھیجونگا۔ تاکہ ایسا سامان حرب تمہارے پاس تیار ہو جائے کہ پھر کوئی بلہوس تمہاری طرف چشم حسرت سے بھی نہ دیکھ سکے۔

لیکن یہاں جو ایک فوج ینگچری کے نام سے تھی۔ اور کبھی کبھی بدتمیزی و شورہ پشتی اون سے ہو جایا کرتی تھی۔ جو جہالت و اکھڑپن کا لازمی جزء ہے اوس کی طرف سے سلطان کی نظر سرد ہونے لگی۔ اور نئی فوج جس کا کہ نام نظام تھا مورد عنایات خسروانی ہوئی یہ امر فوج ینگچری پر اور بھی شاق گذرا۔ ایک تو وہ لباس

نصرانی دیکھکر کہتے تھے۔ دوسرے اس نئے اسلحہ سے اون کو وحشت تھی تیسری قواعد نصاریٰ کو رقص سے تعبیر کرتے تھے۔ یہی تین وجوہ اون کے ہیجان کے لئے کب کم تھے جو عدم التفات خسروانہ کا جو تھا ڈھونس بھی اون پر پڑا۔

ینگچری کی جماعت ایک بڑی بہادر و جاں باز جماعت تھی۔ سلاطین عثمانیہ کا یہ دستور تھا کہ فوجی خدمت کے لئے شریف و نجیب اشخاص جنکی عمر پندرہ برس سے پچیس برس تک ہوتی منتخب کر کے مامور کرتے۔ اور فوج کا نام ینگچری ہوتا ینگ کے معنی نئے اور تازہ کے ہیں اور چری بمعنی جوان یہ لفظ ترکی ہے پھر بعد میں جب ان سپاہیوں کی اولادیں پھیلیں تو اُس قوم کے قوم کا نام ینگچری ہو گیا اب جو قوم کہ ایک مدۃ سے سلطنت کی علم بردار رہی ہو اُس کو ان واقعات سے جو صدمہ ہو پہنچ سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اُس پر جہالت و بے علمی۔ سپاہ منشی کے ساتھ جہالت ایک عجب سم قاتل ہے۔ بہرحال اس جماعت نے علمائے وقت سے یہ سوال کیا کہ لباس نصاریٰ اختیار کرنا اور اون جیسی صورت بنانا کیا مذہب اسلام میں روا ہے۔ علمانے فتوئے عدم جواز کا دیا۔

شیخ الاسلام مع ایک گروہ علما سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ لباس نصاریٰ و تقلید عیسائیت مذہب اسلام ہرگز روا نہیں رکھتا ہے۔ آپ اس خیال سے باز آئیں ورنہ خوف فتنہ ہے۔ سلطان نے اسپر التفات نفرمایا۔

نتیجہ اُس کا ایک شر عظیم کا بپا ہونا تھا سو ہوا۔ بڑے بڑے ارکین دولت قتل ہوئے اور سلطان بموجب فتوئے علماے استنبول تخت سے اُتارے گئے شیخ الاسلام نے تخت سلطانی کے پاس جا کر معزولی سلطان سلیم و شاہی مصطفےٰ خاں رابع کا فتوئے سنایا اور بنہایت ہی تحسر و تاسف سے سلطان معزول کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپنے امیر المومنین ہونے کا خیال نہ رکھا مگر اسلام کے حق سے چشم پوشی فرمائی۔

بعد اس کے کہ سلطان محمد سلیم خاں سلطنت سے معزول ہو کر قید کیا گیا اور محمد مصطفٰے خاں تخت عثمانیہ پر متمکن ہوا۔ چاہئے تھا کہ سلطان محمد مصطفٰے خاں اصل اصلاح کو سمجھ کر ایسی حکمت مدبرانہ اختیار کرتا جس سے فوج نئے اسلحہ کا استعمال شروع کر دیتی۔ یا فوج ہی اس امر کو سمجھ لیتی کہ اوزار و اسلحہ کے استعمال کو مذہب سے کیا علاقہ۔ ہم جس وضع و جس نوعیت کا ہتھیار چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ نہ سلطان نے سمجھا۔ نہ رعایا سے اس حکم سلطانی کی رعایت ہو سکی۔ بڑی غلطی سلطان کی یہ تھی کہ تبدیل اسلحہ کے ساتھ تغیر لباس کا بھی حکم تھا۔ جس سے بجز نقصان کسی طرح کے نفع کی امید کچھ بھی نہ تھی۔ اور رعایا کو اس لباس سے مانوس و مالوف کرنے کے لئے امرائے سلطنت نے لباس و وضع یوروپین اختیار کر لی تھی۔ اس کا کوئی مفید نتیجہ تو نکلا نہیں ہاں عسکری نے یہ جان لیا کہ اب ہم بیدین کیا جاتے ہیں۔ اور علمائے وقت کو بھی اسی لباس کے باعث مخالفت تھی۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ مذہب اسلام درزی کی مقراض سے نہ بنتا ہے نہ قطع ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی خیال کر لینے کی بات ہے کہ تہذیب و روشن دماغی کچھ فلپ پینکن کی دوکان سے طیار ہو کر نہیں آجاتی ہیں۔

اسلام نے لباس کے باب میں اسقدر ضرور اصلاح کی ہے کہ میکبرانہ و بے ستر و بیحیائی کا جامہ نہ ہو۔ اور یہ ایک کامل مذہب کا فرض تھا۔ باقی کسی خاص شخص کو لباس میں کچھ بھی دخل نہیں دیا۔ ہاں شارع علیہ السلام کا لباس بیشک مسنون و موجب اجر عبا۔ جبہ۔ تہمد و قمیص عربی مسنون و محبوب مگر فرض و واجب نہیں۔

رہیں وہ احادیث جنمیں اغیار کے طرز و وضع سے شارع علیہ السلام نے ہمیں منع فرمایا ہے اس میں ایک نکتہ سیاسی مخفی ہے۔ ایک قوم جب دوسری قوم کی وضع اختیار کر لیتی ہے تو اس سے ایک بڑا حصہ دولت کا سمٹکر اوس قوم تک پہنچ جاتا ہے جسکی وضع اختیار کی گئی تھی۔ اور آہستہ آہستہ اس قوم میں جمود و تقلید کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے

جس سے صنعت و حرفت کی کساد بازاری اور ایجاد و اختراع کا استیصال بالکلیہ ہوجاتا ہے۔ اس امر کی بڑی دلیل خود ہندوستان و ہندوستانی ہیں۔ اب جبکہ یوروپین تمدن ان پر چھاگیا۔ اور ان کے خصوصیات قومی و ملی یوروپ میں جذب ہوکر فنا ہوگئی تو انکی آنکھیں کھلیں۔ اب جو دیکھتے ہیں تو جنبش کی طاقت تک نہ رہی۔ گھبراکر کوئی سودیشی سودیشی پکارنے لگا کسی نے بائیکاٹ یوروپ بائیکاٹ یوروپ کی ہانک لگادی مگر اس سے ہوتا کیا ہے (ع) گیا ہی سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر۔

اسی طرح اور بہت مصالح دینی و دنیوی اون کلمات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہیں یہاں چونکہ لباس کی بحث مقصود نہیں اس لئے اصل مدعا کی طرف متوجہ ہوتا ہوں سلطان اگر تبدیل لباس پر زور نہ دیتا تو ضرور علما کی جماعت اُس کے ساتھ ہوجاتی۔ جنکے ہاتھ میں عوام ہمیشہ رہے ہیں۔ مگر نہ سلطان کا اصرار کم ہوا نہ اون کے انکار میں ضعف آیا مصطفےٰ خاں نظام فوج کی طیاری میں ہمہ تن مصروف و متوجہ ہوگیا اور فوج ینگچری بگڑ کھڑی ہوئی یہاں تک کہ مصطفےٰ خاں نے سلیم خاں کو قید خانہ میں قتل کرایا اور خود ہاتھ میں باغیوں کے گرفتار ہوا۔

اس کے بعد سلطان محمود خاں ثانی کو رعایا نے اپنا بادشاہ بنایا۔ اسنے اپنے کو ایک عجب مخمصہ میں پایا۔ اگر جدید آلات جو اصول سائنٹفک پر ایجاد ہوئے ہیں استعمال کراتا ہے تو فوج میں کھلبلی پڑتی ہے اور اگر انھیں دقیانوسی ہتھیاروں پر اکتفا کرتا ہے۔ تو دشمنوں کے حربے کل کے عوض آج ہی فنا کئے دیتے ہیں کرے تو کیا کرے۔ آخر مجبور ہوکر نظام فوج کی طیاری اسنے بھی مقدم رکھی۔ اس کا پھر وہی نتیجہ ہوا جو ہوتا آرہا تھا۔ مگر سلطان محمود نے اس دفعہ یہ حکم اپنے تمام سلطنت میں بتاکید شائع کردیا کہ جہاں کہیں ینگچری کا کوئی شخص ہو وہیں وہ قتل کیا جائے۔ اس شاہی حکم نے جان نثاران ینگچری سے ممالک سلطانی کو خالی کردیا۔ اب

سلطان باطمینان فوج نظام کی طیاری میں مصروف ہوا۔

اس تمام عرصہ میں کہ سلطان لشکر سے اور لشکر سلطان سے گھٹے ہوئے تھے دول یورپ نے تغلب تصرف کا مقراض مقبوضات عثمانیہ پر ایسا چلایا کہ اسلامی ٹکڑے عیسائی سلطنت کے پیوند ہو گئے۔ ہر دولت نے اپنے مناسب جس خطہ کو پایا اوس کو اپنے حکومت کا ضمیمہ بنا لیا۔

لیکن پھر بھی اتنی خیریت تھی کہ دشمن کو دشمن سمجھتے تھے۔ ان کو اونیز اُن کی رائے کو اگرچہ کتنا ہی دردمندی کے لہجے میں بھری ہوئی کیوں نہ ہوتی قولِ عدو ہی سمجھتے

حذر کن زانچہ دشمن گوید آں کن + کہ برزانو زنی دست تغابن

مگر اب بد اقبالی ایک قدم اور آگے بڑہانی ہے۔ باہم عداوت تو تھی ہی۔ اب دشمن دوست بنائے جاتے ہیں۔

سلطان عبدالمجید پسر سلطان محمود جو اکتیسواں[۳۱] فرمانروا خاندان عثمانیہ کا ہے۔ اپنے عہد میں اون یورپین اقوام کا جام محبت پیتا ہے جنہوں نے نپولین کے تباہی سے فائدہ عظیم حاصل کیا تھا۔ اس نے اُس خطۂ یورپ کے باشندوں کو اپنے مزاج میں دخل کامل دیا۔ غلاموں کی خرید و فروخت یک قلم موقوف کر دی۔ اور اس حکم کی خلاف ورزی پر بمقام جدہ عیسائیوں کے ہاتھوں عربوں کی سخت تذلیل ہوئی۔ اور مظلومیت کے ساتھ صلیب پرستوں کے ظالم ہاتھوں نے موحدین عرب کا گلا گھونٹا۔

ان وجوہ سے سخت بددلی و نفرت عربوں کے قلوب میں سلطان کی جانب سے پیدا ہوئی تمام بناد راونھیں عیسائیوں کو ٹھیکہ پر دیدی گئی۔ جابجا اون کے گرجے و معبد بنگئے جس سے محروسات عثمانی میں اون کے عنصر قوی ہو گئے۔ ایک سلطنت عیسائی نے تو دوست بنکر جگر چبانا شروع کیا۔ اور دوسری عیسائی سلطنت اپنے حملوں سے قلب سلطنت کو پاش پاش کرتے لگی۔

سلطان محمد سلیم ثالث کے وقت سے یورپ کے تغلب و تصرف کی قینچی مقبوضات اسلامیہ پر چلنا شروع ہوئی۔ اور ہر دفعہ کوئی نہ کوئی قیمتی جز اس اسلامی سلطنت کا جدا ہوجاتا۔ اب جبکہ یورپ کی دوستی و محبت اعیان دولت و امرائے سلطنت کے دل میں پیدا ہو گئی تو ان کے خصوصیات قومی بھی آہستہ آہستہ یورپ میں جذب ہوتے گئے۔ بالآخر وہی وضع ولباس و معاشرت جس پر کسی زمانہ میں تعصب کا یہ زور و شور تھا کہ ملک کی روح اُس پر نثار کر دی گئی اور اوسے اختیار نہ کیا۔ اب اوسی پر ایسی فریفتگی ہوئی کہ اپنے خصائص بھی اوس کے پیچھے کھو بیٹھے۔ نئی روشنی کی وہ جھلک اُن کے آنکھوں میں سمائی۔ کہ نور ایمان تو ان سے مفقود ہوگیا اب فیشن و آزادی اور تدین سے بے پروائی ایک بہت خوشنما مطلوب معلوم ہونے لگا۔ اخلاص و مروت سے تو پہلے ہی ہاتھ اُٹھائے بیٹھے تھے۔ اب ملت و مذہب سے بھی ایسی دوری ہوگئی کہ فرائض و واجبات تک انھیں خلاف تہذیب و عمل وحشیانہ معلوم ہونے لگے۔ مقصود تو نئی تعلیم سے مقابلہ اقوام عیسائی کا تھا سو وہ تو حاصل نہوا ہاں رہا سہا دین و مذہب تھا سو آزادی اور یوروپین تہذیب کا پوڈر اوس پر لگا کر اوس کی صورت بھی مسخ کر دی۔ اب کیا تھا۔ ؎

پہلے ہی سے نہ تھی میری کچھ قدر و منزلت + پر شب کی منتوں نے ڈبو دی رہی سہی

رشوت ستانی۔ ملک فروشی۔ ملت فراموشی ان سب آفتوں میں مبتلا ہوگئے۔ اب یہ ہونے لگا کہ یوروپین اقوام سے اعیان دولت اسلامیہ اشرفیاں لیتے ہیں اور اپنے ملک اور اپنے بھائیوں کو ان کے حوالہ کرتے جاتے ہیں۔ اسلام کو اقوام غیر سے اسقدر جان ستاں صدمہ نہیں پہونچا جیسا کہ خود مسلمانوں کے ہاتھ سے اسے زخم کاری لگتا رہا۔ وہ مسلمان ہی تو ہیں جن کی بدولت دولت عباسیہ کا چراغ گل ہوگیا ہندوستان کی یہ فلاکت زدہ حالت ہوگئی۔ سلطنت عثمانی اسطرح ذبح کیجا رہی ہے۔ ایران یوں تباہ ہورہا ہے سچ ہے۔ ہر کس از دست غیر نالہ کند ؎ سعدی از دست خویشتن فریاد

ان تمام طویل واقعات دولت عثمانیہ کے لکھنے سے مقصود یہ تھا۔ تاکہ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ تعلیمات الہیہ سے الگ ہوکر کوئی سلامتی وامن کی راہ نہ پائینگے۔ اس زمانے شور وفتن میں جبکہ انجمنوں اور کانفرنسوں کی کوئی حد باقی نہیں رہی اور ہر جگہ دار وہار ایسے ہیچ کا موضوع قوم وترقی قوم ہی ہوتا ہے اور جابجا اسکول وکالج کی صورتیں بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ اور ان کا نام لفظ اسلامیہ کا اضافہ کرکے ذی شوکت بھی بنا ہوا ہے۔ اور ماشااللہ۔ بی۔ اے و ایم۔ اے۔ بلکہ ڈی۔ ایس۔ سی و بی۔ ایچ۔ ڈی ایک کافی تعداد میں مسلمانوں کے طبقہ میں موجود بھی ہیں۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں اگر ہم یہ کہیں کہ ہند کے مسلمانوں نے ترقی کی راہ پائی۔ اور اب یہ بیدار ہوگئے ہیں۔ لیکن آپ مجھے معاف رکھیں۔ ان چیزوں کے وجود کا نام ترقی اسلامی نہیں ہے۔

ہست اسلام سیرت نیکو + نہیں جامہ وقد ومو

اس دو سال کے عرصہ میں جو دو لڑائیاں طرابلس وبلقان کی ہوئیں۔ اور ان میں نئے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں نے چندہ جمع کرکے اور کچھ جلسوں میں گرما گرم لکچر وتقریر ورزولیوشن پاس کرکے کچھ حصہ لیا۔ تو بعض سطحی خیال کے اشخاص یہ خیال کرنے لگے۔ کہ اگرچہ اس جماعت میں نماز روزہ ودیگر اعمال کا فقدان پایا جاتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جذبات قومی تو ان میں زندہ ہوگئے اب قوم کے مردہ دلوں کو یہ زندہ کرلینگے۔ لیکن دوستو۔ یہ سخت مغالطہ ہے جذبہ سیاسی اور ہے اور جذبہ ملی اور۔ ملکی حقوق کا طلب کرنا۔ اور مالی نقصان یا جاہ کی کمی سے بلبلا اٹھنا ایک امر آخر ہے اور اسلامی شعار کو مٹتے دیکھکر خصائص اسلامیہ کو تباہی میں مبتلا پاکر بیکل ہو جانا کچھ اور ہی چیز ہے

صلاح کار کجا ومن خراب کجا + ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہم جبکہ تعلیم یورپ کے بدولت نہ صرف کتاب اللہ سے بیخبر اپنے پیغمبر کے احوال وفضائل

سے لاعلم۔ مذہبی امور سے ناآشنا۔ بلکہ گریزاں ہوں۔ تو پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہمارا جذبہ قومی ہے۔ کیا ہماری قومیت کسی خاص ملک۔ خاص زبان۔ خاص شکل وصورت پر موقوف ہے یا ہماری قومیت کسی اور شے سے مراد ہے۔

دوستو سنو۔ ہماری قومیت کی حالت تمام دیگر اقوام سے جدا اور سب سے زیادہ محبوب ودلکش ہے نگاہ اوٹھاؤ اور آئناہٹ عالم پر غور کرو تو کہیں ہموطنی ایک کو دوسرے کا ہم قوم بناتی ہوگی۔ کہیں اتحاد زبان۔ کہیں یکرنگی شکل وصورت۔ پھر باوجود ہم قوم ہونے کے تم دیگر اقوام میں متمول کو غیر متمول سے۔ اعلےٰ کو ادنےٰ سے ایسا برتاؤ کرتے ہوئے پاؤ گے جس سے ہم قومی کو ننگ و عار آتا ہوگا۔

لیکن ہم مسلمانوں کی قومیت مذہب اور صرف مذہب سے ہی ہماری قومیت کا بقا اسلام ایمان سے قائم ودائم ہے۔ جس قدر قوۃ ایمانی وجذبات اسلامی ہم میں مضبوط ہوں گے اُسی قدر ہماری قومیت ٹھوس ومستحکم ہوگی اور جتنا اس میں اضمحلال پیدا ہوگا اتنا ہی ہماری قومیت شکست وناتوان رہے گی۔

اور اسی باعث چونکہ ہماری قومیت صرف اسلام وایمان ہی سے مراد ہے۔ ایک ہندی کو ایک عرب کا ایک امریکن کو ایک افریقی کا ایک حبشی کو ایک شامی کا ایک چینی کو ایک قریشی کا۔ ایک نومسلم کو ایک سید صحیح النسب کا۔ صرف کلمہ طیبہ کا پڑھ لینا ہم قوم بنا دیتا ہے۔ ایک کافر صد سالہ بے جس وقت اس مقدس کلمہ کی تلاوت کی فوراً مسلمانوں کی قومیت میں داخل ہوگیا۔ اور اُن تمام ہمدردیوں کا بالاستحقاق دعوے کے ساتھ مستحق ہوجاتا ہے جس ہمدردی کا سبق شارع علیہ السلام نے قولاً وفعلاً مسلمانوں کو پڑھایا ہے۔

اس لئے قرن اولے کے مسلمانوں میں امتیاز اسود واحمر تفریق عرب وعجم۔ فرق سلطان و گدا ہرگز نہ پاؤ گے۔ ہاں جس میں تقوےٰ زیادہ تھا وہی سب کا پیشوا تھا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ جو خدا سے زائد ڈرنے والا۔ اپنے جذبات نفسانیہ کو اطاعت الہی سے کچلنے والا

تھا وہی سردار و پیش رو مانا جاتا تھا ۔ واما من خاف مقام ربہ ونهی النفس عن الهوی ۔ فان الجنة هی الماویٰ ۔ ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ + کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

مثلاً ایک واقعہ عہد خلافت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کا سنو۔ غسان کا بادشاہ جبلہ بن ایہم مرتد ہو کر دین عیسائی پھر قبول کر لیتا ہے۔ اس کے ارتداد کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کسی موقع پر اس کا پاؤں ایک غریب عرب کے قدم پر ایسا پڑا کہ کچل گیا۔ عرب نے جھلا کر ایک طمانچہ اس کے منہ پر مار دیا۔ مقدمہ حضرت ابو عبیدہ کے پاس پہونچا۔ آپ نے فرمایا کہ تم طمانچہ کا بدلا ایک طمانچہ مار کر لے لو۔ مگر جبلہ نے کہا کہ میں بادشاہ ہوں۔ اور میرے سامنے جو بے ادبی کہ ایک معمولی عرب نے کی ہے اس کا عوض صرف طمانچہ کیونکر ہو سکتا ہے اس کو قتل کرنا چاہئے۔ ورنہ کم از کم ہاتھ تو ضرور کاٹ ڈالا جائے۔

ابو عبیدہ نے فرمایا کہ اسلام میں جس جرم کی جو سزا مقرر ہے وہ ہر کہ ومہ کیلئے یکساں ہے جو سزائیں شریعت نے مقرر کر دی ہیں ان میں مفلس و سلطان پہلو بہ پہلو ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ غریب مجرم کی سزا سخت ہو اور وہی جرم کا مرتکب اگر امیر یا بادشاہ ہو تو اس کی سزا میں تخفیف کر دیجائے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ مفلس عرب کے طمانچہ مارنے کا جرم موجب قطع ید ہو۔ اسلام نے جو برکت و امن کہ اپنے ماننے والوں کے لئے رکھے ہیں ان میں سب برابر ہیں۔ یہ بات جبلہ بن ایہم کو ناپسند آئی اور عیسائیت کی طرف مرتد ہو گیا۔ مسلمانوں کو اس کے ارتداد سے حسرت ضرور ہوئی مگر یہ کسی طرح گوارا نہ کر سکے کہ ایک غریب مسلمان جرم سے زائد سزا پائے اور محض ایک بڑے آدمی کی دلدہی کے باعث ایک مسلمان پر ظلم کی چھری چل جائے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ قرون اولےٰ کے مسلمانوں نے جس طرف رخ کیا فتح و نصرت نے بڑھکر ویں رکاب چومی۔ قیصر و کسریٰ کے تخت نے قدمبوسی کی۔ بیت المقدس کی کنجیاں ان زبردست

مقدس ہاتھوں کی دست بوس ہوئیں۔ اسلام کی ہیبت و عظمت محبت کے ساتھ غیر اقوام کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ چنانچہ یرموک کی لڑائی میں جبکہ قیصر تمام مسیحی دنیا سے جوق در جوق فوجیں حمایت صلیب میں جمع کر رہا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار اسلام کا قیام اوس وقت حمص میں تھا جس کے باشندے عیسائی و یہود تھے۔ حضرت ابو عبیدہ کو مع فوج وہاں سے اوٹھ جانا پڑا۔ اور جزیہ جو وہاں کے باشندوں سے لیچکے تھے وہ اون کو واپس دیدیا اس لئے کہ جزیہ لینے سے ان کی حفاظت واجب ہوجاتی تھی اور اس وقت کہ مسلمانوں کو اپنی ہی حفاظت دشوار تھی۔ کسی اور کی حفاظت کا کیونکر ذمہ لے سکتے تھے۔

لشکر اسلامی کے رخصت کے وقت ارباب حمص میں سے عیسائی روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ خدا تمکو واپس لائے اور جلد لائے۔ یہود کہتے تھے کہ توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ غرض لشکر اسلام تمام سکنائے حمص کو اپنے درد فراق میں آہ و زاری کرتا ہوا چھوڑ کر روانہ ہوگیا۔ اب قیصر کا حال سنئے۔ وہ اپنے اعیان دولت سے کہتا ہے۔ کہ عرب تم سے دولت میں جمعیت میں ساز و سامان میں کم ہیں۔ پھر تم پر کیوں غالب آتے جاتے ہیں۔ اس کا جواب ایک پیر سال خوردہ یوں دیتا ہے کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے بدرجہا بہتر و برتر ہیں۔ وہ راتوں کو عبادت سے زندہ رکھتے ہیں۔ اور دن میں روزے رکھتے ہیں۔ مخلوق کی صلاح و فلاح کی تدبیریں سوچکر عمل کرتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک دوسرے سے بحیثیت مساوات ملتے رہتے ہیں ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پینے میں بدکاریاں کرنے میں اقرار کی پابندی نہیں کرتے اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔

اس واقعے سے تمہیں یہ خوب معلوم ہوگیا ہوگا کہ مسلمانوں کی پختگی و خوبی و اخلاق کا کیسا سکہ عیسائی قلوب پر بیٹھا ہوا ہے۔ کہ برسر دربار قیصر جیسے بادشاہ کو ایک بڈھا مسیحی مسلمانوں کی اس طرح اخلاقی مدح سرائی کر کے جواب دندان شکن دیتا ہے۔ والفضل ما شهدت به الاعداء

پھر یہ بھی دیکھو گے کہ جو ملک مسلمانوں نے حاصل کیا اس میں اس طرح عدل گستری و داد پروری سے کام لیا کہ وہاں کی رعایا باوجود اختلاف مذاہب ان کی جدائی سے کس طرح بیکل ہوگئی یہ ہیں جذبات ملی۔ اور یہ ہے اون کا زندہ ہونا بڑی بابرکت تھیں وہ ذاتیں جنمیں جذبات ملی کی حیات تھی۔ اور بہت پیارا تھا وہ زمانہ جسمیں جسم سیاست کی روح ملت تھی۔ مگر افسوس کہ یہ مبارک عہد بہت دنوں تک قائم نہ رہا۔

گو اوس قومی وزہ بہ دست تعلیم کا اثر عامہ مسلمین سے تو بہت دنوں میں کم ہونا شروع ہوا مگر خواص یعنی اہل دول کا طبقہ بہت جلد دنیا کی دام تزویر میں گرفتار ہوگیا۔ خلفائے اربعہ کا زمانہ جب جامعیت کا زمانہ تھا۔ اوس کی نظیر تو گیا اس کے لگ بھگ بھی کوئی عہد تم کو نہ ملے گا۔

بنوامیہ کا دور شروع ہوتے ہی دربار خلافت علم باطن سے محروم ہوگیا۔ تزکیۂ نفس و تصفیہ روح جس کے انوار ائمہ اہل بیت میں پاؤ گے۔ خلفائے بنوامیہ میں اوس کا پتہ ملنا دشوار۔ پھر آگے چلکر دولت علم سے بھی بارگاہ خلافت مفلس ہوگئی۔ اب صرف جہانگیری و جہانداری رہی۔ اس لئے بنوامیہ و بنو عباسیہ کے دور میں قصر اسلام کے بہت سے خوشنما کنگرے شہید ہوتے ہوئے پاؤ گے۔

سعید ابن المسیب۔ سعید ابن جبیر۔ امام اعظم ابوحنیفہ۔ امام احمدؒ بن حنبل۔ امام مالک (رحمہم اللہ) وغیرہ وغیرہ احقاق حق پر شمشیر سے شہید یا کوڑے سے گھائل کئے جاتے ہیں۔ مگر آفریں اور ہزار آفریں ہے۔ ان مردان راہ خدا پر جنھوں نے دم واپسیں تک بھی حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جان شیریں نہایت مظلومیت و بیکسی سے راست بازی پر قربان کرکے ہمیشہ کے لئے حق کی عظمت و بڑائی ثابت کر گئے ؎

بنا کردند خوش رسمی بخون و خاک غلطیدان + خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جیسے جیسے دربار خلافت سے جامعیت حذف ہوتی گئی مابقیہ چیزوں

میں رعایا دوسری جانب متوجہ ہونے لگی۔ یہیں سے سلطنت اور حکومت اور مذہب کی کڑیاں الگ الگ ہوگئیں۔ جن کے ہاتھوں میں بادشاہی فرمان تھا۔ ان کے پاس مذہب کا مقدس فتوے نہ تھا۔ اور جن کے ہاتھوں میں مذہب کی باگ تھی ان کے پاس دولت کا سرمایہ نہ تھا۔ وہاں عیش وعسرت کے دولے تھے۔ اور یہاں سوز وگداز کے کرشمے۔ سلطنت اپنے ہوائے نفسانی کا تکملہ چاہتی تھی۔ اور دربار مذہب اوسے شریعت کے تازیانے سے تنبیہ کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مذہب کا حامی اپنی گردن دار کے نذر کرتا جب شرعی حکم سناتا ؎

ترک جان وترک مال وترک سر ✤ در طریق عشق اول منزل ست

اکثر ائمہ اہل بیت کو تیغ ستم یا زہر عداوت ہی سے شہید ہوتے ہوئے پاؤگے۔ اسی طرح علمائے ربانیین کو سلاطین کے دست تطاول میں گرفتار دیکھوگے۔ تھوڑے دنوں تک ایسی ایک برگزیدہ جماعت دنیا میں قائم رہی جس کا ظاہر و باطن دونوں علم ومعرفت سے لبریز تھا۔ اور اس جماعت نے اسلام کی حمایت میں ہمیشہ سلاطین کے احکام جابرانہ کی مخالفت کی۔ ان کا قول تھا کہ ؎

گرہوائے ترک ترکم اره بر تارک نہند ✤ ترک تارک گیرم و اما نہ گیرم ترک ترک

آخر کہاں تک۔ اس جماعت کے گذر جانے کے بعد اب ایسے اشخاص بھی پیدا ہوئے جو احکام شرعی کو سلاطین کے ہوائے نفسانی کا سپر قرار دینے لگے۔ اور دولت کے طمع میں دین کی نعمتوں سے ہاتھ اوٹھا بیٹھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عامہ مسلمین میں دین کی طرف سے چشم پوشی ہونی شروع ہوگئی۔ خود ایسے مدعیان علم چونکہ روحانی لذت سے ناآشنا تھے۔ اس لئے احکام شرعی کے بجاآوری میں تساہل کرتے۔ اور ایک حد تک ان کی بے پروائی اور بھی معصیت کا زہر عوام میں پھیلاتی۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہونچی کہ عوام اب عالم کے نام سے وحشت اور دین کے نام سے تبری کرنے لگے۔

یہ حالت اگرچہ اسلامی ملک کی تباہی و بربادی کی ہوئی۔ لیکن جہاں کہیں بھی کہ مسلمانوں کی حالت اسلامی حیثیت سے خراب ہوئی ہے وہاں بھی علت پاؤ گے پہلے امرا بگڑے پھر کچھ دنی الطبع اہل علم کا طبقہ اون کے ہاتھوں کا رومال بنا۔ اور ان دونوں نے ملکر عوام کو تباہ و برباد کیا۔

پس اے عزیزو۔ اس مہیب وحشت ناک زمانہ میں جبکہ تمہاری ایک بیمار سلطنت جسے خلافت کا معزز لقب حاصل ہے۔ جو آستانہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جاروب کش۔ وحرم محترم کا خادم ہے اوس کا تمام افق پر آشوب وگرد آلود ہو رہا ہے۔ کیا اس وقت بھی تم اوسی خواب خرگوش میں پڑے سوتے رہوگے۔ کیا اب بھی اپنی حالت نہ سنبھالوگے۔ کب تک تم علما کو جاہل کہوگے اور وہ تمکو بیدین وکافر کہیں گے۔ ہائے اس کشاکش نے یہاں تک تو فنا کر دیا اس سے تک تو مٹا دیا۔ کیا اب بھی انہیں فضولیات میں وقت صرف کرتے رہ جاؤگے۔ ہائے کیا ستم ہے ؎

آنکھیں کہیں کہ دل نے ہمیں کر دیا خراب
دل یہ کہے کہ آنکھوں نے ہمکو ڈبو دیا
بگڑا کسی کا کچھ نہ مگر میرے عشق میں
دونوں کی ضد نے خاک میں ہمکو ملو دیا

مسلمانوں خدا کا کلام تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا عملی نمونہ تمہارے پیش نظر ہے۔ پھر تمہیں کیا ڈر ہے اوس کو پڑھو اور اپنی حالت کو سنبھالو یہ گناہوں کا نتیجہ ہے جو کچھ ہو رہا ہے صدق دل سے توبہ کرو۔ اور اوس کی رحمت کو اپنے اعمال حسنہ سے اپنی جانب متوجہ کرو۔ ناامیدی کی کیا بات ہے جس ہاتھ نے ابراہیم خلیل اللہ کو نمرود سے۔ بنی اسرائیل کو فرعون سے۔ عرب کی قوموں کو کفر وشرک سے نجات دی تھی۔ آج ہمکو بھی معصیت اور ان یوروپین آفات سے نجات دینے کو موجود ہے۔ اگر ہم اپنے اخلاق اپنے اعمال آج درست کریں تو پھر وہی اسلامی برکتیں موجود ہیں۔ اگر ہم میں تقوے وخشیت ایزدی پیدا ہو جائے تو آج پھر ہماری وہی ہیبت وہی دبدبہ دنیا ماننے لگے جو کبھی تسلیم کیجاتی تھی

کیونکہ ہمارا مذہب اسلام ہے۔ اور اُسے خداوند عالم نے دنیا میں اس عظمت کے ساتھ بھیجا ہے۔ لیظہرہ علی الدین کلہ پھر کیا وجہ کہ ہمکو غلبہ نصیب نہ ہو کیا تیرہ سو برس گذر جانے سے اسلام وہ اسلام نہ رہا۔ کیا یہ وہی پاک اسلام نہیں ہے جس نے صدیوں کی لڑائیاں دم کے دم میں چکا دی تھیں۔ کیا وہی اسلام نہیں ہے جسنے خون کے پیاسے دشمنوں کو ایک دوسرے کا عاشق زار وجان نثار بنا دیا تھا۔ کیا یہ وہی اسلام نہیں ہے جسنے دنیا میں قدم رکھتے ہی تاریکی روشنی سے جفا وفا سے قطع وصل سے فساد صلح سے عداوت محبت سے ذلت عزت سے خیانت امانت سے معصیت طاعت سے کدورت صفائی سے بدلکر دنیا کا رنگ ہی پلٹ دیا تھا اور دنیا کے ساری رنگوں کو اللہ کے خوشنما رنگ میں رنگ دیا تھا۔

اسلام تو بیشک وہی اسلام ہے۔ تیری وہی شان۔ تیرا وہی غلبہ۔ تیری وہی عزت۔ تیری وہی برکات۔ لیکن بدقسمتی کہ ہمیں میں قابلیت تجھ سے مستفید و مستفیض ہونیکی باقی نہ رہی۔ لیکن پھر بھی نا امید ہونا تیری تعلیم کے خلاف ہے ؎

از چنیں محسن نہ شاید نا امید	دست در فتراک رحمتہا زنید
بعد نومیدی بسے امید ہاست	وز پس ظلمت بسے خورشید ہاست

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی من ہو الاول والآخر والظاہر والباطن وہو بکل شیٔ علیم وعلیٰ آلہٖ وصحبہ اولیاء امتہ وعلینا معہم اجمعین۔

حررہ بقلمہ فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

اسلام و خلافت

اسلام

ایسے زمانہ شور و فتن میں جبکہ ہر طرف آوازۂ ما و من بلند ہے۔ صداقت و حقانیت کی دلکش صورت پردۂ تعصب و نقاب باطل سے روپوش کر دی گئی ہے۔ اور جہاں ہر [illegible] عزت کی تحصیل میں جو اپنے اختراعات [illegible] ہیں سب [illegible] سرگرم [illegible] حق اللہ و حق العباد کو پس پشت ڈال رکھا ہو کچھ لکھنا یا بولنا ایک فعل عبث [illegible]

ہاں اس وقت ایسے مضامین کا جو جھوٹی اعزاز و توقیر [illegible] ابنائے زمانہ جاہ کو عزت حقیقی الحاد کو ایمان ترک فرائض و واجبات کو [illegible] بیان [illegible] تیز تحریر میں آنا چلتی گاڑی کی [illegible] اور اپنے آپ کو [illegible] کرنا ہو۔ اور جو مضامین لا ابالی رنگ کے ہوں وہ نظر حقارت سے [illegible] سے [illegible] کیے جانے کے قابل ہیں۔

لیکن ایک ایسا شخص جو چند گھڑیاں ایک [illegible] اگر ایسی باتیں لکھ دے یا کہہ گذرے جنکے صلہ میں [illegible] کا اظہار کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جبکہ [illegible] بال علم رکھتا ہوا اپنے غرض کی بات سے

ملول ہونا خود اپنی زندگی کے لطف کو تباہ کرنا ہے ؎

هَنِيئاً لِلْعُلْيَا أَهْلَ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا　　وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

اے اہل نعمت تمھیں تمھاری نعمتیں مُبارک مسکین عاشق کو تلخ گھونٹ پینے دو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اس مضمون کی قوم کی نگاہوں میں اسقدر وقعت بھی نہ ہوگی کہ ایک مرتبہ نگاہِ حقارت ہی سے سہی اسکو دیکھا جانا نصیب ہو لیکن پھر بھی میں اسکے لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا ؎

دو چیز طیرۂ عقل ست دم فرو بستن　　بوقتِ گفتن و گفتن بوقتِ خاموشی

اِسوقت جو اضمحلال کہ مذہب اسلام پر طاری ہی۔ وہ نتیجہ ہے اسی بے موقع خموشی کا اور ثمرہ ہے بے محل تقریر کا۔ اِحقاقِ حق کیلئے زمانہ کا رنگ اور اہلِ زمانہ کا رُخ ہرگز نہ دیکھنا چاہیئے اور جسنے ایسا کیا اُسنے سچائی اور دیانت پر بہت ہی ظلم روا رکھا۔

پس اِنھیں خیالات سے مجبور ہو کر فقیر نے بھی ایسے وقت میں خاموشی کو ایک خلاقی جرم سمجھکر چند سطریں لکھکر گذارشِ مردانگی کی کردی ہے۔ اب اربابِ ایمان جو چاہیں وہ کہیں اپنی نیت حتی الامکان اخلاص پر مبنی ہے مجھے اِسوقت مسلمانوں کو صرف اس امر کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے کہ بعد اِسکے کہ کسی شخص نے کلمۂ شہادت کی تصدیق دل سے اور اقرار زبان سے کرلیا اُس پر یہ فرض ہو جاتا ہی کہ اِس تصدیق کے آثار اُسکے اقوال و افعال سے صادر ہوا کریں۔ اور اگر کوئی موقع ایسا پیش آجائے کہ جو اظہار کا مزاحم ہو تو اُسے دفع کرے۔ مزاحمتوں کی کشاکش سے دست و گریبان ہونا ایک بہت ہی اہم و معرکۃ الآراء امر ہے۔ اِسلئے اسلام نے مذہب کا بازو سیاست سے قوی کردیا۔ تاکہ مذہبی تبلیغ و ترغیب و اظہار میں اگر کچھ رُکاوٹ پیدا ہو جائے۔ تو زورِ سیاست اُسے محو و کالعدم نکین کردے۔

جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کرسکتا۔ اور اپنی ماموں زندگی کیلئے طاقت روا نہیں رکھتا ہے اُسکا وجود محالاتِ عادیہ میں سے ہے اور وہ ایک فلسفۂ خیالی سے زائد مرتبہ نہیں رکھتا۔

وہ بات جس میں اخلاقِ حسنہ کی کتاب ہو۔ نہایت ہی مقدس و واجب التعظیم ہے۔

اسکو بوسہ دیجئے آنکھوں پر رکھئے لیکن سلامت وہی ہاتھ رہ سکتا ہے جس میں خونچکاں شمشیر کا قبضہ دکھلائی دے۔ اسلام پاکیزہ سے پاکیزہ اخلاق کی ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ اور پھر ارتکاب جرم پر حد و تعزیر سے سدّ باب عصیاں بھی کرتا ہے۔

آنکہ میگویند آں بہتر زحسن　　　یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی زندگی مقدس کامل نمونہ علمی و عملی تعلیمات اسلامیہ کی ہے۔ وَلَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ پھر خلفائے اربعہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا زمانہ اُن ہی اصولوں پر بسر ہوتا رہا۔ جو ہمارے معلم روحی و زمانی نے قائم کردئے تھے۔ روحی فداہ و صلوٰۃ اللہ علیہ۔

اسلام کے محفوظ و مامون رہنے کا ایک بڑا اصل یہ قرار دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہونا چاہیے۔ اور اُس مرکز کا کوئی محافظ۔ چنانچہ مکہ معظمہ یعنی بیت اللہ اور مدینہ طیبہ یعنی حرم رسول اللہ (زادہما اللہ شرفًا و تعظیمًا) تمامی دُنیائے اسلامیہ کے مرکز قرار دئے گئے۔ اور ذاتِ بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں جگہوں کی محافظ۔ اور مسلمانوں کی ہر طرح کی حاجتوں کا ماوا و ملجا۔

کتب احادیث و سیر کے ماننے

اسی ذات سے تھی۔ تزکیہ نفس اسی روح پرور کے انفاسِ قدسیہ سے تھا۔ میدانِ جنگ میں وہی ایک بڑے سپہ سالار کی صورت میں دکھلائی دیتا۔ انتظاماتِ ملکی میں ایک بڑا مدبّر سلطان تھا۔ نزاعاتِ باہمی و مناقشات کے فیصل کرنے میں ایک بے نظیر حاکمِ عادل تھا پھر باوجود ان تمام بلندیوں کے غربائے اُمت کی دلداری اور اپنے غلاموں پر نوازش ایسی تھی۔ کہ مسلمانوں کی صف میں اِسطرح ملکر بیٹھ جاتا کہ اجنبی کو پوچھنے کی ضرورت ہوتی کہ تمہارا سردار کون ہے۔ وہ اپنے حلقہ بگوشوں کی ہمت افزائی اِن کلمات سے کہ مِسْكِينٌ جَالِسٌ عِنْدَ الْمَسَاكِين فرما کر تواضع و خاکساری کا عجب بلیغ سبق دیتا۔ صلی اللہ

تعالےٰ علیہ وسلم آلہ واصحابہ الف الف صلوٰۃ۔

دنیا میں دو طرح کے مذہب پائے جاتے ہیں۔ ایک مذہب تو ایسا ہو کہ جسکے اصول سُننے میں تو بہت خوشگوار اور سرسری نگاہ میں نہایت ہی دلپذیر مگر جب اُن اصول پر کوئی زندگی بسر کرنا چاہے۔ اور اپنے مذہبی معلومات پر عمل کی بنیاد قائم کرنا چاہے تو سانس تک لینی دشوار ہو جائے۔ پھر اُن اصول پر اگر کہری نظر حکیمانہ ڈالی جائے تو تمام اصول کنسج العنکبوت ہو جائیں جیساکہ مذہب عیسائی۔ انکا اصل وہی ایک تو یہ ہے کہ اپنے جانی دشمن کے لیے بھی ویسی ہی سوز دل سے دعا مانگو جیسا اپنے اکلوتے فرزند کے لیے دعائے خیر کرتے دوسرا اصل مذہبی یہ ہے کہ اگر کوئی تمھارے ایک رخسارے پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا رخسارہ بھی پیش کردو۔

اب یہ اصول ایسے ہیں کہ بجز اسکے کہ کتابوں میں مکتوب رہیں اپنے متبعین کی عملی صورت میں کبھی نمایاں نہیں ہوسکتے بخلاف اسکے مذہب اسلام ہے۔ جسکا ہر اصل قابل عمل۔ اور نہ صرف قابل عمل بلکہ وہ اپنے متبعین کو اس امر کا بھی حکم دیتا ہے کہ اگر اطاعت الٰہی میں کوئی مانع تمھیں پیش آجائے تو اُسے بزور دفع کردو۔ سب سے بڑا دشمن جو صراط الٰہی میں ہمارا سدّ راہ ہوتا ہے وہ نفس امّارہ ہے۔ جو لذات دُنیاوی و فانی عزت و جاہ پر مٹا ہوتا ہے شارع علیہ السلام نے بآواز بلند فرمایا کہ اعدا عدو لک الذی بین جنبیک۔ یعنی سب سے بڑا دشمن تمھارا تمھارے پہلو میں نفس امّارہ ہے۔

دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ المجاھد من جاھد لنفسہ والمھاجر من ھجر ما نھی اللہ ورسولہ عنہ یعنی مجاہد تو وہی ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور مہاجر وہ ہے جس نے اُن چیزوں کو چھوڑ دیا۔ جسکے ترک کے لئے اللہ اور اُسکے رسول نے حکم فرمایا۔

سچ ہے۔ ایک لشکر جرار کا منھ پھیر دینا اور برہنہ شمشیر سے نہ گھبرانا اُسقدر دشوار نہیں جسقدر اپنے نفس کے حملوں کو روک لینا معرکۃ الآرا ہے۔ اسیطرح یہ بھی سچ ہے کہ مقامات مقدسہ پر نجس دل و گندی روح لیکر جانا اور مہاجر کا معزز لقب اپنے لیے سزاوار و لائق جاننا

اک سراسر شوخ چشمی ہے ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادند
کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

ایک اور حدیث سنو۔

الایمان بضع وسبعون شعبة فافضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق۔ یعنی شجر ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں۔ سب میں افضل و برتر تو لا اله الا الله کا کہنا اور سب شاخوں میں ادنیٰ شاخ ایمان کی یہ ہے کہ راہ میں سے اذیت دہ چیز کا ہٹا دینا۔ محققین اذیت دہ چیز نفس امارہ کو قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح شاہ راہ سے کانٹا و پتھر ہٹا دینا شفقة على الخلق ہے اسی طرح صراط مستقیم جو موصل الی الحق ہے اس پر موذی نفس چھپا ہوا ہے اسے ہٹاؤ۔ تاکہ انوار و تجلیات قہاری ارواح پر تاباں و درخشاں ہوں۔ الحق ؎

حجاب و پردہ نہ دارد نگار الست ما
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

ان احادیث سے تمہیں بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ اپنے اخلاق کو درست بنانا اور نفس کی بیجا خواہشوں کو پامال کرنا مختلف عنوانات سے شارع علیہ السلام نے ہمیں بتلایا اور سمجھایا اور نیز اپنی مقدس زندگی میں اپنے افعال و طرز معاشرت سے ہر حسنات کو کر کے دکھا بھی گئے اور کچھ اس سبقت و محبت سوز و گداز سے کہ منافقین بھی علمی عملی درس آئینہ تعلیم فرمایا کہ ؏

ذرہ ذرہ سے ہوا شور انا الشمس بلند

سچ فرمایا رب العزت نے اپنے کلام پاک میں۔ هُوَ الَّذِي يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

تیس برس کا زمانہ دیکھو اور پھر تعلیم رسالت کی تاثیر و تعدیہ کیطرف غور کرو۔ تو ایک سراسر اعجاز ہی اعجاز دکھلائی دیتا ہے۔ جو قوم لکھنے پڑھنے کو مثل کمینہ پیشہ نقش دوزی وغیرہ کے معیوب جانتی ہو اسکو علم کا ایسا گرویدہ بنا دیا کہ اس قوم کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہونا کسی قوم کو اب تک نصیب

نہ ہوا۔ یہ خاصہ صرف اُسی نبی اُمّی کا تھا جسکو خدا نے عرب کے خشک پہاڑوں میں تمام عالم کی ہدایت کیلئے پیدا فرمایا تھا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ صلے اللہ علیہ و علٰے آلہ واصحابہ دائماً ابداً دام ملک اللہ۔

اب بعد اسکے کہ نفسِ سرکش مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔ دیگر بنی نوعِ انسان اگر دشمنی پر آمادہ ہو جائیں۔ اور دین کی راہ میں دیوارِ آہن بنکر سدِّ راہ ہوں۔ تو ہمیں آگ بنکر اُنھیں گُھلا دینے و خاکستر کر دینے کا حکم ہوتا ہے جیسے ہم تعلیم حربیۂ اسلامیہ میں بیان کرینگے۔

اسیقدر بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ جس مذہب کا یہ حکم ہو وہ بیشک حیات پا سکتا ہے۔ پس اسلام کے جتنے اصول ہیں سب قابلِ عمل اور گوناگوں مصالح کے جامع۔ اسکے زرّین اصول پر عمل کرنے سے حیاتِ دنیا مقبول اور آخرۃ محمود۔ زمانی صلاح اور روحی فلاح حاصل اب اگر وساوسِ شیطانی تعلیماتِ اسلامیہ کے منور چہرے پر اوہام و تخیلات کا چلمن ڈالے تو یہ ہماری کمزوری ہوگی نہ اسلام کی تقصیر و کوتاہی ؎

گر نہ بیند بروز شپّرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اب میں اثباتِ دعوے کے لیے نہایت اختصار کے ساتھ اسلام کے اصول کو دکھلاتا ہوں تاکہ اچھی طرح یہ بات ذہن نشین ہو جائے۔ کہ اسلامی جامعیت اس سے ایا کرتی ہے کہ صلاحِ مبدء و فلاحِ معاد میں یہ کسی غیر کی محتاج ہو۔ ایک مسلم کے لیے بجز اس کے مذہب کے کوئی لیڈر کوئی رہبر ہرگز ہرگز درکار نہیں۔

غور کرو اصول اسلام کے تین ہیں۔ تصحیح العقائد۔ تہذیب الاخلاق۔ احسان الاعمال۔ اعمال کی دو قسمیں۔ عبادات و معاملات۔ پھر معاملات کی چند قسمیں ہیں۔ قضائیہ۔ مدنیہ۔ سیاسیہ۔ حربیہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

اسلام پہلے ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اپنے عقیدے کو درست کرو جب تک عقائد درست نہ ہونگے اُسوقت تک عمل کا کوئی اعتبار نہیں پھر بعد اسکے بموجب اُن ہی عقائد کے اخلاق کی

درستگی - اعمال کی آرایش و تزئین کا ہمیں حکم دیتا ہے - اعمال میں سب سے پہلے خدا کی عبادت ہے
اس کے بعد اپنے دنیاوی معاملات - اور ان معاملات کی بہت سی قسمیں ہیں - کسیکا تعلق
ہمارے تمدن سے ہوگا کسیکا سیاست و پولیٹکس سے کسیکا حرب و جدال سے کسیکا باہمی مناقشات سے
یہ جسقدر اقسام اولی و ثانوی وغیرہ میں نے بیان کیے - ان سب کا ماخذ اولاً کلام مجید
ثانیاً حدیث مصطفوی - ثالثاً کتب فقہ ہیں جس فقہ کی کتاب کو جی چاہے اسے اٹھا کر دیکھیے
معاملات ہدایہ کو اگر پڑھیے تو معلوم ہو جائے کہ کیسے کیسے قانون اور کیسے کیسے شرعی فیصلے موجود
ہیں - یہ تمام تعلیمات فقہیہ کچھ منگھڑت نہیں ہیں - بلکہ قانون خداوندی سے مستنبط ہیں -
خدا کی کتاب قرآن مجید ہمیں تمام دنیوی سعادت و دینی نجات کی طرف رہبری کرتی ہے
پھر احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکی تشریح و توضیح ہے - ہاں یہ نکتہ
البتہ قابل لحاظ ہے کہ عقائد و عبادات و تہذیب اخلاق و تدبیر منزل کے متعلق ہمیں جسقدر
صاف صاف الفاظ میں بالتفصیل تمام مسائل بتائے گئے اُسقدر تفصیل کے ساتھ احکام
معاملات صادر نہوئے - بلکہ اُنکو بطور کلیہ کے بیان فرما دیا - مثلاً توحید و الوہیت - رسالت
و نبوۃ - معاد و محشر کے مسائل کو جناب باری نے مختلف عنوانات سے جابجا گوناگوں
دلائل کیساتھ بیان فرمایا ہے اسلیے کہ جب تک ان ارکان ثلثہ پر ایمان و اعتقاد کامل
نہیں ہولیتا ہے اُسوقت تک انسان فضیلت انسانی کے پانے سے محروم رہیگا - اسکے
بعد تہذیب اخلاق کا سبق سکھایا ہے تاکہ ہم عمدہ اوصاف سے متصف اور بری عادتوں
سے پاک و صاف ہو جائیں - اسکے بعد اُن حقوق و مدارج کا ہمیں درس دیا گیا ہے جو ایک
کنبے کے لوگوں میں باہمی تعلقات و قرابت مندی کے سبب ہوتے ہیں - مثلاً باپ - بیٹا -
ماں بہن - بیوی بھائی - غلام آقا وغیرہ وغیرہ پھر عبادات روزہ نماز حج زکوۃ جہاد فی سبیل اللہ -
یہ عبادات و حقوق العباد و شایستگی و تہذیب اُن اہم مسائل میں سے ہیں جن سے دنیا
محض نا آشنا تھی - اور ان کے لیے جو قانون اختراعی و خود ساختہ کہ ایک نامکمل صورت

میں سمجھے وہ بجائے نافع ثابت ہونیکے سخت مضرت رساں تھے۔ افلاطون جیسے حکما، گر دوالا
کا ماننا دار رکھتے تھے۔ عام انسانوں سے جسکے دماغی و جسمانی قوے اعلیٰ ہوتے وہ خدا کا بیٹا
سمجھا جاتا۔ ایسی عادتیں جو اخلاق کے لیے سخت تباہ کن تھیں مثلاً شراب نوشی اکل حرام عدم ازالۂ
نجاست وغیرہ بطور طبیعت ثانیہ ہو رہی تھیں۔ عورتوں پر جو اُن کے خود ساختہ قانون سے ظلم ہو رہا
تھا وہ ظاہر ہے۔ عبادات الٰہی کی جو صورت تھی وہ اب بھی غیر مسلم کی عبادات سے عیاں ہے
اسلیے ان امور میں اسکی ضرورت تھی کہ شارع علیہ السلام بہ تمام وکمال اِن تمام نوق و مدارج کا بالتفصیل
سبق اپنی امت کو دیں چنانچہ کلام مجید و احادیث شریفہ ان تمام ہدایات سے مالا مال ہیں۔

اب رہے معاملات۔ اِن میں بھی وہ حصہ جس میں خیانت انسانی کا خطرہ تھا شارع
علیہ السلام نے بالتفصیل بیان فرما دیا مثلاً بیع و ہبہ و رہن وغیرہ وغیرہ اب باقی رہیں معاملات
کی وہ قسمیں جنکا تعلق تمدن و سیاست و حرب کے ساتھ تھا۔ چونکہ یہ چیزیں حسب زمانہ
متغیر و متبدل ہونیوالی تھیں اور ان کے لیے عقل انسانی خود کافی تھی۔ جیسے جیسے ضرورت
ہوتی جاتی ہے اشیاء کا ایجاد ہوتا جاتا ہے۔ اسلیے اس حصۂ معاملات پر کلیۃً شارع علیہ السلام
نے چند ہدایتیں فرما دیں اور مابقیہ آئندہ پیش آنے والے امور کے لیے انتم اعلم بامور دنیاکم
فرما کر اجتہاد کوشش و سعی کا دروازہ ہم پر کھول دیا۔

اس امر کے ثبوت میں کہ خداوند تعالیٰ نے تصحیح عقائد و تہذیب اخلاق و تدبیر منزل و عبادات
کے متعلق بہت ہی شرح و بسط سے ہمیں احکام اپنے فرقان حمید میں ارشاد فرمائے ہیں کوئی
دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ جسنے کلام مجید کی سرسری ترجمہ کیساتھ تلاوت کی ہوگی اس
پر یہ امر مخفی نہیں۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا کی عقل ایجاد کرنے سے اب تک بہتر قواعد اصلاح کے پاکیزہ
اخلاق اور اسکے بہتر اصول تدبیر منزل اور اعلیٰ روح پرور عبادات سے عاجز تھی اور ہے
عقل انسانی اسکے برعکس بہت معتدل قوانین وضع کرنے سے قاصر تھی۔ اس دعوے کی دلیل

اسوقت یہی کافی ہے۔ کہ جب آفتاب اسلام نے فاران کی چوٹیوں سے طلوع کیا تب دنیا ان اصول سے واقف ہوئی۔

پس جو امور ایسے تھے کہ بغیر تعلیم الٰہی کمال کا درجہ نہیں حاصل کر سکتے تھے انھیں تو باریتعالے نے اپنے کلام مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث میں نہایت بسط وایضاح کیساتھ بیان فرمادیا۔ اور جن مسائل کے لیے عقل انسانی کافی تھی اُن میں سے بعض کی طرف تو مطلق توجہ نفرمائی مثلاً کھانا پکانا۔ کپڑا سینا یا بُننا۔ زراعت وصنعت وحرفت اسکو کچھ نہ تبلایا اس لیے کہ عقل اسکو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ کس زمانے میں کس ملک میں کونسی صنعت وحرفت کی حاجت ہے اور اسے کسطرح کرنا چاہیے۔

ہاں ایسے ضروریات زندگی جو انسانی حیات کیلیے جزو لاینفک ہیں مثلاً تمدن سیاست حرب۔ اسکو خوب حل فرمادیا۔ اور یہ ایک کامل وصادق مذہب کا فرض تھا۔

احکام شرعیہ سے جو حضرات کہ ناواقف ہیں۔ اور اُنھیں توفیق اس سے آگاہی کی بھی نہیں ہوتی۔ وہ بربنائے جہل مرکب یہ کہدیتے ہیں کہ اسلام صرف تزکیۂ نفس سکھلاتا ہے باقی اُسے دُنیاوی اُمور میں کوئی دخل نہیں۔ اس تیرہ صدی میں جبکہ الحاد وجہل کی گھٹا مسلمانوں پر اُن کی بدنصیبی کیطرح چھائی ہوئی ہو اسطرح کی آوازیں اور بھی اسلام سے بے پروا کر نیوالی ہیں۔ لہذا یہ تبلادینا کہ اسلام ہی ہے جس نے تمدن وسیاست وحرب تمام دُنیا کو سکھلایا۔ ایک نہایت ضروری بات ہے۔

اُصول تمدن اور اسلام

تمدن کا سب سے پہلا اصل حُرّیّۃ ہے یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ جبتک انسان کو یہ حاصل نہیں ہرگز وہ تمدن کی راہ پا نہیں سکتا۔ اسلام سے پیشتر دنیا جس تاریکی وبدبختی میں مبتلا تھی۔ ان بدنصیبیوں میں پہلی بدنصیبی یہی تھی۔ کہ آزادی کا شرف مفقود تھا۔ اور غلامی کے ذلیل وخوار طوق وسلاسل میں جکڑے ہوئے تھے ہر زبردست نے اپنے زیردستوں کی شرافت حُرّیّہ جو ممتاز

جوہر بنی نوعِ انسان کا ہی سلب کر کے اُنھیں اپنا بندہ بنا لیا تھا۔ ہر ایک اہلِ دولت ہر ایک ذی حشمت بجائے خود اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا مدعی تھا اور دیگر ابنائے جنس اُس کی پرستش میں مصروف تھے۔ تمام شریف جذبات اس ذلیل و برباد کن حکومیت نے قوموں میں سے سلب کر لیے تھے۔

اسلام کے چمکتے ہی یہ راز لوگوں پر یُوں منکشف ہوا۔ کہ اُس خاتم النبیین نے ڈنکے کی چوٹ ربّ العالمین کی یہ خوش آیند بشارت سُنا کر تمغۂ اعزازی عطا فرمایا۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ یعنی ہم نے فرزند آدم کو عزت و کرامت عطا کی ہے۔

پھر دوسرا خطاب یوں ملا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً جس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان خلیفۃ اللہ ہے یعنی تمام کائنات پر جائز تصرف کرنیکے لیے خدا نے اسے بھیجا ہے پھر تیسرا مژدہ سَخَّرْنَا لَکُمُ الْبَرَّ وَالْبَحْرَ خشکی و تری اے فرزند آدم سب تمھارے مسخر ہیں۔ پھر چوتھی خوش خبری وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ یعنی جو کچھ زمین و آسماں میں ہے سبھی تمھارا مسخر ہے یہ وہ مژدے رُوح افزا تھے جنھیں سُنکر مردہ قالبوں میں جان آگئی۔ اور انسان نے اپنی عزت و کرامت پر اطلاع پائی۔ اب حکم ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اے لوگو یہ بزرگیاں جو تمھیں عطا ہوئی ہیں اگر انھیں قائم رکھنا چاہتے ہو تو اوسکی عبادت کرو جو درجہ بدرجہ تمھیں مرتبۂ کمال تک پہونچانیوالا ہے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نخوری

ہمہ از بہر تو گشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اِن آیات سے یہ امر روز روشن کیطرح واضح ہوتا ہے کہ حُرّیّة کا سبق اسلام اور صرف اسلام ہی نے دنیا کو سکھایا۔ اُسکے ساتھ ہی رب کی عبادت کا جو حکم فرما دیا۔ اُس میں اِس نکتے کیطرف ایک لطیف اشارہ بھی فرما دیا۔ کہ شرافتِ انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جو سر اپنے رب کے آستانے پر جھکا ہو اُسے کسی بشر کی جناب میں خم نہونا چاہیے۔ بلکہ

تمام سلاطین و اُمرا و اہل دول کے آستانوں سے متکبرانہ گذر جانا چاہیے۔ جس سے ایک بہت ہی بلیغ سبق خود داری کا ہمیں ملگیا۔

خود داری یا سلف ریسپکٹ ایک دوسرا اصل تمدن کا ہے اَعُدُّوا لَہُمْ میں اس کی طرف ضمناً اشارہ ہو چکا تھا۔ اب دوسری آیتوں میں مومنین کی اِسی عزت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یعنی تمھیں میں نے ایسی اُمت بنایا ہے جسمیں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ بلکہ وسط و اعتدال ہے۔ تاکہ تم دوسروں پر گواہ حُجۃ و بُرہان ہوسکو۔ پھر ارشاد فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ کہ دربار احدیت سے احکم الحاکمین نے عزت کا لباس صرف مومنین ہی کو عطا فرمایا ہے۔

دوستو اب تمھیں پر فیصلہ ٹھہرا تمھیں کہدو خدا لگتی۔ کیا اسلام سے پیشتر دُنیا اِس عزت و چاشنی حُریّۃ سے آشنا تھی۔ حاشا وکلا کبھی نہیں ہرگز نہیں۔ قیود ات شدیدہ کا نام آزادی اور بے شمار ذلتوں کا نام عزت تھا۔ سُنو اور خوب یاد رکھو کہ حقیقی عزت تو وہ ہے جسپر جذبۂ ایمانی ملامت نہ کرتا ہو۔ ساز و سامان دولت و حشمت کے طفیل میں معزز بنجانا یا فریب و تلبیس سے مقبولِ خلائق ہو جانا جھوٹی عزت و مقبولیت ہے۔ سچی عزت تو اوسکو میسر آتی ہے جو ایسے اقوال و افعال پر ملکہ پا جائے جسپر ایمان ملامت نکرے اور ایک رُوحانی سرور حاصل ہو اور یہ عزت تو صرف مومنین ہی کو آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے طفیل میں نصیب ہوئی ؎

محمدِ عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است   کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

تیسرا اصل تمدن کا یہ ہے کہ عقل کو موقع جُنبش و حرکت کا دیا جائے۔ اسلام سے پیشتر جسقدر قوانینِ سلطانی اور آسمانی دنیا کے سامنے پیش کیے جاتے تھے اُن میں عقل انسانی کو کوئی دخل دے نہیں سکتا تھا۔ اور یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب تک عقل سے کام نہ لیا جائے

اُسوقت تک تمدّنی حیات حاصل ہو نہیں سکتی۔ یہ سبق بھی قران مجید ہی سے دنیا نے سیکھا ورید وانجیل و توراۃ موجودہ کو دیکھو پھر قران کیطرف نظر کرو۔ یہ کلام قدیم لم یزل ولا یزال اس طرح ارشاد فرماتا ہی۔ لِیَھلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ۔ یعنی جو شخص ہلاک ہونیوالا وہ حجۃ تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو۔ اور جو زندہ رہنے والا ہی وہ بھی حجۃ تمام ہونے کے بعد زندہ رہے جابجا بے عقل سے کام لینے پر تاسفاً ارشاد فرماتا ہی۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اَفَلَا یَتَفَکَّرُوْنَ ہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ ہ یعنی عقل سے فکر سے تدبر سے کیوں کام نہیں لیتے۔ اور اہل ایمان کی یوں مدح سرائی فرماتا ہی کہ وہ آیات الٰہیہ کو سُنکر عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اندھے بہرے بنکر اُسپر نہیں گرتے۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور مصنوعات عالم میں صانع حقیقی کی صنعت قدرت کا مطالعہ نہیں کرتے اُنھیں یوں ذکر فرماتا ہی۔ وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ ہ یعنی آسمان و زمین میں بہت سی نشانیوں پہ سے گذرتے ہیں گر منہ پھیرے ہوئے ایسے لوگوں کی ان الفاظ شدید میں تہدید فرماتا ہی مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا۔ یعنی جس نے دنیا میں عقل کی آنکھیں نہ کھولیں وہ قیامت میں بھی گمراہ و اندھا ہی رہیگا۔ نجات کی راہ پا نہیں سکتا۔ سچ ہی ؎

ہر کہ امروز نہ بیند اثر قدرت او — غالب آنست کہ فرداش نہ بیند دیدار

چوتھا اصل تمدّن کا علم ہی۔ جب تک علم نہیں اُسوقت تک تمدّن ایک جسم بے رُوح ہی اسلام نے جس شدّ و مدّ کے ساتھ علم کی تاکید فرمائی ہی اُسکے بیان کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہی۔ علم کی اہمیت اسلام نے کسقدر رکھی ہی اُسکے لیے میں صرف دو آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ پہلی آیت تو وہ ہی جس سے ابتداء وحی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی۔ اُس آیت کے پہلے لفظ کو دیکھو معلوم ہو جائیگا کہ علم کا پایہ اسلام نے کیا قرار دیا۔ ارشاد باری ہی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ہ پہلے پہل وحی آتی ہی اُسکا پہلا لفظ یہ ہی کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھیے

پھر ایک دوسری جگہ اپنے محب و محبوب رسول کو یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ
عِلْمًا یعنی اے محبوب یوں کہیے کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کر دے۔ یہ تمہیں سمجھنے کے قابل
ہے کہ محبوب رب العٰلمین وہ دعا فرماتے ہیں اور وہ چیز مانگتے ہیں جسکو خود اُن کے خالق نے
طلب کرنے کو بتلائی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا سائل۔ علم جیسی شئے مسئول۔
اور رب العزت جیسا دعا سننے والا اور دینے والا۔ اُس علم کا مبدء [illegible] منتہٰی کون بتلا سکتا ہے

فان من جودك الدنيا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

پانچویں اصل یہ ہے کہ افراد قوم میں تقسیم عمل ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی شخص تمام
کاموں کو انجام دے۔ کوئی صنعت و حرفت میں مشغول ہو۔ کوئی تجارت میں مصروف رہے۔
کچھ لوگ زراعت پیشہ ہوں۔ کچھ افراد علوم دین کے [illegible] ہوں۔ جو علماء ان لوگوں کو جو کا
روبار دنیا میں مصروف ہیں مسائل شرعیہ بتلائیں تاکہ انہماک نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ
ارشاد باری ہوتا ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ۔ یعنی ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر گروہ میں سے کچھ
لوگ علم دین سیکھنے کو نکل کھڑے ہوں۔ اور جب سیکھ کر اپنی جماعت میں آئیں تو انہیں مرضیات
الٰہی سے ڈرائیں۔ تاکہ انکی زندگی و کاروبار دنیاوی ایزدی مرضی کے موافق ہوں۔ اس طرح سے
اگر کام تقسیم ہو جائے تو نظام عالم کا سلسلہ کیسا اُلفت و منظم ہو جاتا ہے۔

اسلام تو ہمیں سب کچھ ترقی و تہذیب و تمدن کی باتیں بتلاتا ہے۔ مگر ہم ایسے خواب غفلت
میں ایسے سرشار ہیں کہ ایک قدم بھی آگے بڑھانے کی سکت نہیں رکھتے۔ زراعت
چھوڑی صنعت و حرفت ترک کی۔ تجارت سے بیزار ہوئے اسکا لازمی نتیجہ افلاس و نکبت
تھا سو مسلمانوں پر چھا کر رہا۔ کیا اللہ تعالٰے نے اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ فرما کر تجارت کی رغبت نہیں
دلائی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مقدس زندگی میں تجارت نہ فرمائی۔
کیا خلفائے راشدین ایسے نہ کرتے تھے۔ ہائے افسوس مسلمان اب بھی بیدار نہیں ہوتے

دیکھ رہے ہیں کہ اسی تجارت نے یورپ کو سلطنت عطا کردی۔ اور اسی کے نے مسلمانوں کو غلام بنا دیا۔ مگر پھر بھی آنکھ نہیں کھولتے۔ نہ مسلمانوں میں علمائے ربانی رہے الا ماشاء اللہ نہ اُنہیں زراعت و تجارت صنعت و حرفت ہی رہی الا ماشاء اللہ۔ چلو فرصت ہوئی۔ جب اعمال ہی نہیں رہے تو پھر تقسیم کس کی ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ ثُمَّ اِنَّا لِلّٰہِ۔

چھٹا اصل تمدن کا حقوق دینی میں مساوات ہے۔ وہی قوم نفس الامر میں متمدن کہی جا سکتی ہے۔ جس میں وعدہ وعید ہر فردِ قوم کے لیے یکساں ہو۔ جس جرم کی جو سزا مقرر ہو وہ سلطان و گدا اشراف و اجلاف دونوں کے لیے یکساں ہو۔ قران مجید نے جہاں کہیں کہ کوئی وعدہ فرمایا ہے اُس میں کوئی خصوصیت دولت یا نسب کی نہیں پائی جاتی ہے۔ اور یہی حال قرآنی وعیدات کا ہے۔

یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ اسلام کا ہے اور اس کثرت سے قران اور اسمیں اسکی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ہر پڑھا لکھا اسے خوب جانتا ہے کہ نسب و دولت پر اسلامی سزا و جزا مترتب نہیں ہوتا۔ یہاں تقوےٰ و کسب دیکھا جاتا ہے۔ نہ کہ خاندان و نسب۔ ؎

حسن ز بصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ از شام
ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست۔

ساتواں اصل فرق مراتب ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے لہذا اسکا لحاظ بہت ضروری ہے جب تک فرقِ مراتب نہ قائم ہو۔ تمدن کیا خاک ہوگا۔ ع +گر فرق مراتب نکنی زندیقی
مختلف زمانوں میں بعض نادانوں نے فرق مراتب کا لحاظ اُٹھا دینا چاہا۔ مگر قدرتی و فطری باتوں کا اُٹھانا انسانی قدرت سے بالاتر ہے اگر فرقِ مراتب اُٹھ جائے تو یکبارگی ترقی کی رفتار رک جائے۔

مذہب اسلام چونکہ تمدن کا حامی ہے اس لیے قرانِ پاک میں فرق مراتب کو یوں بیان فرمایا نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا۔ ہم نے زندگانی دنیا میں بنی آدم کی

روزی آپس میں تقسیم کردی ہی۔ اور بعض کو بعض پر بلندی عطا کی تاکہ ایک سے ایک اپنا کام لے۔
خداوند عالم نے بنی آدم میں محتاج و محتاج الیہ کا ایسا سلسلہ رکھا ہی کہ جس کے باعث ہر بڑے سے بڑا اپنے چھوٹے کا محتاج ہی اور چھوٹا اپنے بڑے کا۔ اگر تمام انسان ایک ہی حالت پر لے آئے جائیں تو کاموں کا سلسلہ ایکبارگی موقوف ہو کر ترقی کا شیرازہ بکھر جاتا ہی۔ اس لیئے باہم فرق مراتب ضرور ہے پھر جس کو خدا نے جو مرتبہ عطا کیا ہے اُس کے مرتبے کے بموجب اُسکی عزت و احترام کا تحفظ بھی ضروری ہے چھوٹوں کو بزرگوں کی عظمت لازم ہے اور بزرگوں کو اپنے چھوٹوں پر شفقت واجب۔ مَن لَمْ یَرْحَم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا فلیس منا۔
آٹھواں اصل تمدن کا یہ ہی۔ کہ انسان کا اس پر کامل اعتماد و پختہ یقین ہو کہ جو کچھ وہ کرتا ہی۔ اُس کا نفع و نقصان اسی کی طرف عائد ہونیوالا ہی۔ جسطرح انسان کو تمام کائنات سے برگزیدگی کا خیال متمدن بناتا ہی اُسیطرح یہ اعتقاد کہ افعال کا سود و زیاں فاعل ہی کو نفس الامر میں پہونچتا ہی انسان کو انسان رکھتا ہے۔ ورنہ لبا اوقات اس اصل سے بے توجہی حیوانیت سے بھی اسفل مرتبے میں انسان کو پہونچا دیتی ہے۔ قران نے متعدد مقامات پر نہایت ہی تصریح فرمادی کہ۔ لَہَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ۔
اس مجمل و مختصر بیان سے تمھیں اسقدر تو ضرور معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ آج جو مسلمانوں میں تمدن کے آثار نہیں پائے جاتے وہ نتیجہ ہے احکام الٰہی سے غافل و بے پروا ہونے کا مذہب نے تو تعلیم میں کوئی کمی نہیں رکھی۔ اگر قران مجید کا مطالعہ غور سے کرد تو بیشمار تمدن کی باتیں اُس میں پاؤگے۔ اسیطرح اُن تمام ہدایتوں سے قران مالامال ہی جنکی حیات انسانی کو ضرورت ہی

اسلام اور سیاست

سیاست بجائے خود ایک مستقل فن ہی۔ یہ مختصر تحریر اُسکی متحمل ہو نہیں سکتی۔ لیکن اسقدر کہدینا بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک سیاست سلطانی ہے اور ایک سیاست

مذہبی ہیں۔ اسوقت جو کچھ لکھونگا وہ مذہبی سیاست کا ایک حصّہ ہوگا۔

سیاست کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ملک و آبادی کا جن سے تعلق ہو اُن کی رائے و مشورے کو اُسمیں دخل دیا جائے۔ رعایا کی فریاد سُنی جائے۔ واجب شکایتوں کا ازالہ ہو اور غیر واجب چیخ و پکار پر اُن کی فہمائش۔ اسلام نے اپنی سیاست میں اس عنصر کو اسقدر قوت دی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اپنے یاروں سے مشورہ کر لیا کرو۔ اصحاب باوقار کی یوں مدح سرائی فرماتا ہے۔ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ یعنی اُن کے کام مشورے سے انجام پاتے ہیں۔

اسکی اہمیت قابل غور ہے۔ عہد نبوۃ ہے۔ وحی کا سلسلہ جاری ہے۔ پیغمبر کو پھر مشورے کی کیا حاجت؟ تمام باتیں بذریعہ وحی کے بتلا دی جاتیں۔ مگر ایسا اگر ہوتا تو لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی جامعیت مشورے کا خود فعل رسول سے مسنون ہونا کیونکر سمجھا جاتا۔ اسکی اہمیت کس طرح معلوم ہوتی۔ کہ باوجود ہر طرح مشورے سے بے نیاز ہونیکے پھر بھی مشورہ لیکر اپنے غلاموں کو یہ سبق پڑھا گئے کہ کسی بلند مرتبے پر پہونچکر مخلوق خدا کو چھوڑ نہ دینا بلکہ جو کام کرنا ہو۔ اُن سے صلاح و مشورہ لیکر کرتے رہنا۔ اللّٰھم صل علی النبی الکریم۔ اس زمانے میں مجلس شوریٰ کے صحیح مفہوم کا مسلمانوں کو سمجھنا یا سمجھانا ایک دشوار امر ہو گیا۔ آجکل کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ ارباب حل و عقد بیٹھتے ہیں۔ مگر مشورے جیسے کچھ اسکا نام ہی نام ہوتا ہے۔ فریق بندی۔ احباب نوازی۔ اشخاص پرستی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ کمیٹی نے یہ بات طے کی۔ رائے دہندوں کے دروں پر جاتے ہیں اُن کی رائیں قبل سے حاصل کی جاتی ہیں۔ کہیں بذریعہ طمع۔ کہیں بذریعہ تہدید۔ کہیں بواسطہ خوشامد و منت۔ اور اس طرح ایک آواز کے پیچھے بہت سی آوازیں ہو جاتی ہیں۔

لیکن اسلامی مشورہ ان تمام آلودگیوں سے ایسا ہی پاک و صاف ہے جس طرح بالوں سے کفِ دست۔

دُوسرا عنصر سیاست کا یہ ہے کہ انسدادِ جرائم قانوناً و تعزیراً بدرجۂ اتم ہو۔ اسلام نے اوّلاً اجتناب معاصی مثل چوری قمار بازی شرابخواری زنا کاری دروغگوئی غیبت قتل و غارتگری وغیرہ وغیرہ کو نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا۔ پھر اُن شریر النفس لوگوں کے لیے جو نرمی سے نہیں مانتے۔ حد و تعزیر مقرر فرمائی۔ تاکہ دنیا ایسے نامنجاروں سے پاک ہو۔ یا کم از کم جرائم کا سدِّباب ہو اور مخلوق امن و چین سے اپنی زندگی بسر کرے۔ یہاں پر تعزیراتِ قرآنی کا لکھنا کچھ ضرور نہیں۔ ہر مسلمان جسکو تلاوتِ قرآن نصیب ہے خوب جانتا ہے۔

نیز تعزیراتِ قرآنی سے گو ناگوں مسائل ایک چشم حقیقت بین سے مخفی نہیں لیکن سزا دینے کے لیے یہ ضرور ہو کہ سزا دہندہ کی طاقت زبردست ہو۔ قانون کا نفاذ بدون قوۃ ناممکن۔ اسلیئے اسلام نے یہ حکم دیا کہ فوجی طاقت ہر وقت طیار رہے۔ جسکے باعث اپنی رعایا بھی مؤدب رہیگی اور آس پاس کے دشمن و اغیار بھی مرعوب رہ کر مفسدین کی مدد سے باز رہینگے۔

اسلام اگر صرف تعلیم اخلاق پر اکتفا کرتا۔ اور تعزیر کا تازیانہ شریعت کے ہاتھ میں ندیتا تو یہ تعلیم عالمِ ملکوت کے لیے ہوتی۔ جہاں بجائے انسانوں کے فرشتوں کی آبادی ہوتی۔ مگر شریعت جبکہ دنیا میں انسانوں کیلیئے بھیجی گئی۔ اور اُن میں مختلف اصناف کے بنی آدم ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں جو تعزیر و حد کا کوڑا اسکے دوسرے ہاتھ میں ندیا جاتا۔

سیاست کا تیسرا جزو یہ ہو کہ ایسی قوۃ و جمعیت ہو کہ جسے دیکھتے ہی دشمنوں کا کلیجہ پانی ہو جائے قرآن حکم دیتا ہے وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ یعنی ہر طرح کی قوۃ ممکنہ دفع دشمنان کے لیے ہمیں طیار رکھنا چاہیئے ایک ہی قسم کی قوۃ پر اکتفا نہ چاہیئے لفظ قُوَّةٍ کو نکرہ لایا تاکہ کسی خاص طرح کی قوۃ نہ سمجھی جائے یہ چیز ایسی ہے کہ اختلافِ زمانے سے مختلف ہو جایا کرتی ہو لہذا اسے نکرہ ہی ہونا چاہیئے تھا۔ پھر مَا اسْتَطَعْتُمْ کا لفظ بھی قابلِ غور ہے مَا عموم کے لیے آتا ہے جس سے یہ مسئلہ بخوبی حل ہو جاتا ہو کہ تمام قوتیں جنگی کہ ہمیں استطاعت ہو موجود رہنی چاہئیں۔ مثلاً تلوار تیر نیزہ

ایامِ سابق کے لحاظ سے اور بندوق توپ ہوائی جہاز وغیرہ فی الحال وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ یعنی گھوڑے بندھے ہوئے رہیں یہ نہیں کہ بوقت ضرورت خریداری کی جائے نہیں بلکہ ہر وقت آمادہ رہو۔ تمہارے دشمن اللہ کے دشمن اس سے ڈرتے رہینگے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ ہمنے لوہا پیدا کیا ہے جس سے لوگ خوب ہی ڈرتے ہیں اور اس سے انسانوں کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ ایک اور جگہ مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے۔ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً۔ تمہاری حالت ایسی رہنی چاہئے کہ دشمن تم میں کرارا پن پائیں۔ لقمہ سمجھ کر نگل جانے کی فکر میں نہوں تمھیں اپنے قدموں کا گیند نہ بنائیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ مسلمانو اپنا بچاؤ بھی رکھو۔ طاقت و قوۃ جہاں ساز وسامان و آلاتِ حرب سے پیدا ہوتی ہو وہاں اتفاق و اتحاد بھی قوۃ کیلئے ایک جزِ اعظم ہے لہذا اس قوۃ اجتماعی کی طرف یوں ہدایت فرماتے ہیں وَلَا تَنَازَعُوْا۔ آپس میں جھگڑا نہ ڈالو۔ فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ۔ ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائیگی۔ ذاتی مخاصمات غرضِ مشترکہ حفاظتِ دینی کو ضرر نہ پہونچانے پائیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا سب ملکر دین و ملت کو مضبوط کیے رہو۔ مسلمانوں کے سوا غیر قوموں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ اس سے اپنوں کو بے اعتمادی اور دشمن کو قوۃ ہوتی ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ ؕ

اے مسلمانو! اپنے لوگ چھوڑکر مخالفین میں سے کسیکو اپنا رازدار نہ بناؤ کہ یہ تو تمھاری خرابی میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ اغیار تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم مصائب میں مبتلا ہو جاؤ۔ بغض کی باتیں تو ان کے منہ سے نکل ہی پڑتی ہیں اور دل میں جو آگ عداوت کی ان کے دہک رہی ہے اسکا کیا پوچھنا۔

یہ سیاست کا جزِ اعظم ہے کہ اپنے رموز و اسرار اغیار سے مخفی رکھے جائیں۔ اور ایسا نہیں

اپنا خیرخواہ سمجھکر رازدار نہ بنایا جائے۔ کاشش مسلمان اب بھی سمجھیں۔

چوتھا اصل سیاست کا یہ ہے کہ اغیار و مخالفین پر چیرہ دستی رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اور بعد انکی مغلوبیت کے اُن کی منصفانہ نگرانی کیجائے۔ اِسکی بابت قرآن یوں حکم دیتا ہے۔ اِن یُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ۔ یعنی جو اسلام قبول نکرے وہ انھیں تم سے ڈرکر جزیہ ادا کرے۔ جنسے جزیہ لیا جاتا ہے وہ اصطلاحِ شرع میں ذمی کہے جاتے ہیں۔ اسلام پر اُن کی جان و مال و عزت کی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے۔ اُن سے جزیہ لیکر ایک فوج ذمیوں کے ملک میں رکھی جاتی ہے اِس سے انکی حفاظت بھی ہوتی ہے اور انپر نگرانی بھی رہتی ہے۔ اسلامی فوج اُنکے ملک میں پڑی رہتی ہے۔ تاکہ حربیوں اور بیرونی دشمنوں سے اُن لوگوں کی حفاظت کرے جو اسلام کی امان میں اگر جزیہ ادا کرتے ہیں۔ نیز اگر ذمی کسیوقت سر اُٹھانا چاہیں تو وہیں کی فوج وہیں اُنکو کچل ہی ڈالے۔ اُن کو اِسکا موقع ندے کہ ہمسری کے اسباب مہیا کرکے مسلمانوں کا خون بہائیں۔ اگر یہی قانونِ اسلامی پر دولتِ عثمانیہ کا عمل رہتا تو آج ریاستہائے بلقان اسطرح عورتوں اور بڈھوں اور بچوں کو اپنی جفاکاری کا شکار نکرتے۔ راز ما ست کہ بر ما ست۔

اسلام اور حرب

اِسلام نے حرب کو ایسا لازمی و ضروری جز قرار دیا ہے کہ جسکے بغیر حیاتِ اسلامی محال ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جس قوم کے پاس اپنی حفاظت و امن کی قوت نہیں اُس کا بقا اُسکی عزت اُس کے مذہب کی اشاعت محال ہی محال ہے۔ اسلئے اسلام نے اغیار کی نجات حکومت دو قسمیں کی ہیں۔ ایک تو وہ جنسے عہد و پیمان ہو جائے اور وہ جزیہ ادا کریں یہ تو ذمی ہیں۔ ان سے نہ جنگ ہے نہ لڑائی بلکہ ان کے دشمنوں سے اسلامی فوج لڑتی ہے اور انھیں چین سے زندگی بسر کرنی نصیب ہوتی ہے۔

دوسری وہ قومیں ہیں جنسے جنگ ہورہی ہو یا ہونیکا امکان ہو انھیں حربی کہتے ہیں۔ انکے
لیے قواعد حرب کے بنائے گئے تاکہ لڑائی میں بھی اسلامی اعتدال قائم رہے۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ خدا کی
راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑیں لڑو۔ مگر حد سے متجاوز نہونا۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو
دوست نہیں رکھتا ہے۔ آیت کریمہ کے الفاظ کو غور کرو۔ پہلی تعلیم تو یہ ہے کہ یہ لڑائی اعلائے کلمۃ اللہ
کے لیے ہونی چاہیے۔ تکمیل خواہشات نفسانی علت جنگ نہو۔ پھر دوسری ہدایت یہ ہوتی
ہے کہ لڑنے میں حد سے متجاوز نہوجاؤ۔ بڈھوں بچوں عورتوں خانقاہ نشینوں کو قتل کرنا کہیں شروع
نہ کرو۔ باوجود اسکے کہ وہ دشمن ہیں پھر بھی عدل وانصاف واعتدال کا ہمیں حکم ہوتا ہے ارشاد
ہوتا ہے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات
پر آمادہ نکرے کہ تم انصاف نکرو۔ اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ عدل کرو کہ یہ شان تقوی ہے
لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ
اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۔ اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ
الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ
اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

اس آیہ کریمہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ جو قوم مسلمانوں سے مذہبی لڑائی لڑے یا مسلمانوں
کو گھروں سے نکالکر بے خانماں بناڈالے یا جو مسلمانوں کے نکال دینے پر دشمنان اسلام کی
مدد کرے اُن سے لڑنا بہت ضرور ہے ورنہ ظالموں میں شمار ہوجائیگا۔

خبیث را چو تعہد کنی و بنوازی + بدولت تو گنہ میکند بانبازی

ہاں جو قوم مسلمانوں سے صلح وآشتی سے پیش آئے اُن کے ساتھ دنیاوی حسن سلوک
اگر کیا جائے تو خدا کو یہ امر پسندیدہ ہے۔ اسلام سے زائد مخلوق پر شفیق ومہربان
کوئی دوسرا ہو نہیں سکتا۔

سلطان صلاح الدین کے زمانے میں جو جنگ صلیبی ہوئی تھی اسوقت دشمن کی فوج
میں ہیضہ پھیلا۔ سلطان صلاح الدین نے چار سو قرابے عرقِ گلاب کے فوجِ دشمن میں دوا کے
بھیجدیئے۔ دشمن اظہارِ تعجب کرتا ہے۔ سلطان کہتا ہے کہ تم ہمارے ہاتھ میں ہماری تلواروں
کے مقابلے میں مرو۔ بیمار ہو کر کیوں مرتے ہو۔ مبارزت کے وقت تم ہمارے دشمن ہو لیکن
بحالتِ علالت مجھ پر تمھاری تیمار داری لازم ہے شفقتِ انسانی ہے جسکی تعلیم اسلام نے اپنے
متبعین کو دی ہے اور انھیں میں پائی جاتی ہے۔ مگر جب عیسائیوں نے بیت المقدس فتح
کیا تھا تو چالیس دن تک قتل عام جاری رکھا تھا مسلمانوں کے شیر خوار بچے آغوشِ مادر سے
چھینکر دیواروں پر اس زور سے مارے جاتے تھے کہ پک کر رہ جاتے مگر جب صلاح الدین
نے بیت المقدس فتح کیا ہے تو چالیس روز تک اذنِ عام دے رکھا کہ سب کا جہاں جی چاہے
چلا جائے۔ مسلمانوں میں سفاکی و بیرحمی نہیں ہے۔

ہاں وہ جو ہم سے لڑنے آئے اُس سے لڑنا بہت ضرور ہے۔ حفاظتِ خود اختیاری
ایک لازمی شئے ہے۔ لیکن بسا اوقات نفس انسان کو اپنی کمزوری بے سروسامانی و قسم قسم
کے توہمات دلاکر بزدل بنا دیتا ہے اور ایک بے غیرتی کے سلسلے پر لے آتا ہے اسلیئے
قرآن شریف نہایت موثر پیرایے اور ایسے الفاظ میں جو دل میں گھر کر جانیوالے ہیں۔
حفاظتِ خود اختیاری کے لیے عرقِ غیرت کو حرکت میں لاتا ہے اور رگِ حمیت کو جوش
دلاتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ
اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا
فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا۔ اے ایمان والو تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے
کہ خدا کی راہ میں لڑنیکو نکلو تو تم زمین میں ڈھیر ہوئے جاتے ہو۔ کیا آخرۃ کے بدلے زندگانی
دنیا پر قانع ہو گئے ہو۔ آخرۃ کے مقابلے میں ساز و سامانِ دنیا بالکل ہی ہیچ ہے اگر لڑنیکو تم

نہ نکلے تو خدا انھیں دردناک عذاب سے معذب کریگا اور تمھیں ہٹا کر دوسری قوم تمھاری جگہ آباد کریگا اور تم خدا کو کچھ ضرر نہیں پہونچا سکتے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

خدا کی راہ میں نکل کھڑے ہو جس حال میں ہو عام ازیں ہتیار وسامان عشرت کا بلی وبددلی سے بوجھل ہو رہے ہو۔ یا ان تعلقات وعلائق سے سبک وہلکے ہو ہر حال میں بسم اللہ پڑھکر یہ کہتے ہوئے جھک پڑو کہ ؎

جان اور مال سے ہم اپنے جدا ہوتے ہیں + آج ہم دینِ محمد پہ فدا ہوتے ہیں

صلے اللہ علیہ وعلے الہ واصحابہ۔

پھر ایک مقام پر دینی اشاعت اسلامی تحفظ کو اسطرح تمام نعمتہائے دنیا پر ترجیح دیتا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ﰳ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ اے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں سے فرما دیجئے کہ اگر تمھیں تمھارے باپ وبیٹے وبھائی بیبیاں وکمائے ہوئے مال وتجارت جسکے مندا پڑجانے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن میں رہنا پسند کرتے ہو تمھیں اللہ اور اُسکے رسول اور دینی جہاد سے زائد محبوب ہیں تو ذرہ صبر کرو۔ یہاں تک کہ خدا کو جو کرنا ہی وہ تمھارے سامنے لا موجود کرے

حق بات یوں ہی کہ خدا تعالے نے جنھیں چشمِ بصیرت عطا کی ہی اور تعصب وہٹ دھرمی میں مبتلا نہیں ہیں انھیں اِن احکاماتِ حربیہ میں وہ اعتدال وتناسب دکھلائی دیتا ہی کہ وجد کرنے لگتے ہیں۔ جسطرح حد سے زائد ہاتھ کا اُٹھنا ظلم وجفا کاری ہی اُسی طرح اُسکا اندازے سے بڑھ کر بندھ جانا بیغیرتی وذلت وخواری ہی ؎

جو کوئی حد سے بڑھا اُس کی خرابی دیکھو + خاک پر لوٹتے ہیں یار کے گیسو کیونکر۔

اسلام صلح جو و امن پسند اشخاص و اقوام کے باب میں تو یہ ہدایت کرتا ہے۔
وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ کہ جو تم سے صلح کرے تم بھی اُس سے صلح کرو۔ ع
کسے کہ لطف کند با تو خاک پایش باش۔ اور لڑنیوالوں کے مقابلے میں یہ جرأت دلاتا ہے اور یہاں تک ہمیں شجاع بناتا ہے کہ فرماتا ہے کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ یعنی فتح و نصرت من جانب اللہ ہے بہت ایسا ہوا ہے کہ تھوڑے لوگوں نے بڑی جماعت کو شکست دیدی ہے۔ اسکے متعلق میں کہاں تک لکھوں اور اس حرب کے منافع اور سرفروشان ملت کے مدارج کہاں تک بیان کروں

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ؎ گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

جسے شوق ہو اور خدا کرے کہ شوق ہو جائے وہ سورۂ انفال و سورۂ توبہ تمام و کمال مع ترجمے کے سمجھ کر پڑھ جائے۔ اُسے خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ یورپ کی جنگ کس طرح وحشیانہ درندگی کے اصولوں پر مبنی ہے اور اسلامی جنگ کیسی سراسر رحمت۔ جسطرح درختونکی آرایش اُنکی بدنما شاخوں اور پھیلی ہوئی ٹہنیوں کو کاٹ کر کیجاتی ہے اُسیطرح بنی نوع انسان کی زیبایش مفسدین و ستم شعاروں کے سر قلم کرنے سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو ایک مدت ہوئی کہ تعلیمات اسلامی سے کہیں دُور جا پڑے ہیں ایک حیوانی و لایعنی زندگی میں مصروف ہیں۔ انسانی زندگی اُن سے ایسی گم ہوئی ہے کہ اب پھر ملنے کی اُس کے کوئی اُمید نہیں رہی۔ الحاد و دہریت کی ہر آن افزونی ہے۔ اور یورپ کی محبت میں بیہوشی و مدہوشی۔ جسکے باعث سطح ہستی سے ہر آن ایک درجہ نیستی کیطرف بڑھتے جارہے ہیں ؎

تو بہ بازی نشستہ و ز چپ و راست + میرود تیر چرخ پرتابی

دوستو! ہوشیار ہو جاؤ اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ اسلام ایک امانت الٰہی ہے اور تم اُسکے امین۔ خدا نے تمھیں اس امانت کی قدر سمجھنے کو عقل دی ہے فہم و فراست

عطا فرمائی ہے۔ پھر دین سے بے پروائی کی کیا وجہ ؎

چشم باز و گوش باز و این ذکا + خیرہ ام در چشم بندی اے خدا

اسوقت تمام بلادِ اسلامیہ پر جو ستم و جفا کے بادل ٹوٹ پڑے ہیں وہ صرف اس علت میں کہ مسلمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ یوں کہتے ہیں۔ نہایت ہی حسرت و افسوس کی بات ہوگی۔ کہ جس جرم میں دنیا میں مبتلا ہی ہو اسکی لذت سے ہم ناآشنا رہ جائیں۔ اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کے مصداق ہوں۔

عزیزو! دین کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑو۔ یہ دینِ اسلام تمہارے پیغمبر روحی فداہٗ کا مہمان ہے۔ اس اُمّت نواز پیغمبر کے مہمان کی عزت کرو۔ خدا تمھیں عزت دیگا۔ دین کے طفیل ممکن ہے کہ دنیا بھی ملجائے۔ جیسا کہ ہمارے اگلوں کو سو چکی ہے اور اگر دنیا نہ بھی ملے تو کیا پروا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نَبِیًّا۔

دوستو! آؤ ہم تم ملکر تعلیماتِ اسلامیہ کی اب قدر کریں اور اسپر چلنے کی کوشش۔

السعی منی والاتمام من اللہ ؎

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے + مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

اسوقت بیشک تمام دنیائے اسلامی کے مسلمانوں کی حالت زار و نزار ہے۔ عبادتوں سے جو غذائے روحِ انسانی ہے وحشت ہوگئی ہے اور معاملات سے بے تعلقی۔ نہ اتفاق مسلمانوں میں ہے نہ اتحاد۔ نہ انکا کوئی مرکز ہے نہ انکا کوئی محافظ نہ اصولِ تمدن پر انھیں کوئی چلانیوالا ہے نہ سیاست و حرب کیطرف کوئی رہبری کرنیوالا۔ اُس پر دشمنانِ الٰہی کا ہر چہار طرف سے نرغہ ؎

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز + گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتہ است

اسلامی ہستی کچھ اسطرح منتشر ہوگئی ہے کہ باہم ایک کا دوسرے سے کوئی علاقہ نہ رہا اور ایک مشت خاک مضمحل مسلمانوں کی جو اسوقت عالم میں باقی ہے۔ حوادثاتِ دہر کے

جھونکے انھیں بھی بے نام و نشان کیا چاہتے ہیں۔ آہ اہ ؎

مبادا یاد جائے بے نشاں خاکِ مزارِ ما   جنوں را کارہا باقی ست با مشتِ غبارِ ما

مسلمانو! بیدار ہوجاؤ کب تک ہم اپنے اپنے قدح کی خیر منائینگے ؎

گر از نیستی دیگرے شد ہلاک   مرا ہست بط را ز طوفاں چہ باک

کب تک کرینگے ہم اپنے دینی بھائیوں سے چشم پوشی کی۔ خدا کی حمیت ہم سے بیزار ہوگئی۔ دست و پا شکستہ ہوکر رہ گئے۔ اسی بے تعلقی نے سب ذلتوں تک پہونچایا اور پھر کیسی ذلت جس سے وجود و ہستی کو فنائے نیستی میں بھی پہونچکر حجاب و ننگ دامن ہے ؎

تجھے ایک دل ہی سے کام تھا نہ کہ استخوانوں کو پھونکنا
غرض ایک شیر کے واسطے تو نے نیستاں کو جلا دیا

بہر حال گذشتہ را صلوٰۃ و آئندہ را احتیاط۔ اس حق و قدیم کی کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ کسی مسئلے میں ہم کسی مقتدا و لیڈر کے محتاج نہیں۔ قرآن مجید سب ہمیں سب کچھ بتلا دیا ہے جسقدر ہم غور و خوض اسمیں کرتے جائینگے اسیقدر ہمیں اسکے انوار و برکات ظاہر ہوتے جائینگے

اگر ہر ساعتے صد بار رخسارش بصد دیدہ   ہمی معشوق تازہ گردد نظارہ سے گردار او

دین و دنیا کی ہدایت شریعت غرّہ دے رہی ہے۔ اسطرف سے تو ہم بالکل بے نیاز ہیں۔ خدا کی کتاب پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ان تمام امراض روحانی کا کافی بیان کرتی ہے جس سے روح انسانی مردہ اور نفس امارہ زندہ و قوی ہوجاتا ہے۔ پھر ان امراض سے شفا پانی کے نسخے بھی اس میں مندرج ہیں۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۔ لیکن مذہب کا بازو جو سیاست سے قوی کیا گیا تھا وہ بازو اب کٹ رہا ہے اور وہ بظاہر اسباب ایران افغانستان و ترکی حکومتیں ہیں۔ ایران و ترکی پر جو موت کی لالی چھا رہی ہے اس سے اگر مسلمانوں میں بیقراری و اضطرار پیدا ہو تو یہ موجب تعجب نہیں۔ اسلیے کہ اسلام نے جس ہمدردی و رافت و رحمت کا سبق کہ مسلمانوں کو پڑھایا ہے

وہ اُنکے قلوب سے محو ہو نہیں سکتا۔ کتّے اور بلی کی تکلیف سے بھی اُنکا دل بلبلا اُٹھتا ہے۔ چہ جائیکہ انسان اور پھر انسانوں میں اُنکے دینی بھائی۔ جنکے باب میں حدیث یوں ارشاد فرمائے۔ مثل المؤمنین کرجل واحد اذا اشتکی عینه اشتکی کله واذا اشتکی راسه اشتکی کله۔ تمام مؤمنین کی مثال ایک شخصِ واحد جیسی ہے۔ جبکہ اسکی آنکھ دکھتی ہے تو تمام جسم دردمند ہوجاتا ہے اور جب سر میں درد اُٹھتا ہے تو سارا بدن آزاردہ ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں کے کانوں میں یہ صدا پہونچتی ہے کہ ایران میں اُن کے بھائی روسیوں کے بیرحم خنجروں سے شہید ہوئے تو وہ اپنے بستروں پر تڑپ جاتے ہیں جب یہ خبر ملتی ہے کہ عربوں کے خون سے طرابلس کی زمین لالہ زار بنگئی تو اُنکے قلوب سینے میں خون ہوکر بہنے لگتے ہیں۔ اِسلئے کہ مسلمانوں کے افراد کا مجموعہ بمنزلہ شخصِ واحد کے ہے گو اجسام متعدد ہیں مگر روح سب میں ایک ہی ہے اور یہ وہی روح ہے جسے آج سے تیرہ سو برس پیشتر نبی اُمّی روحی فداہ نے مکے کے ریگستانوں اور طیبہ کے وادیوں میں پھونک کر قدنوا۔ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر پھونکی تھی۔ صلے اللہ علیہ وعلےٰ آلہ واصحابہ واولیاء امتہٖ۔ گرچہ وہ روحِ اسلامی ہمارے شامتِ اعمال کی بدولت نیم جاں ہوکر پژمردہ و افسردہ ہوگئی ہے لیکن پھر بھی آخری سانس باقی ہے اسی سے اُمید ہے کہ شاید کسی دلسوز کا نعرۂ اللّٰہ اکبر پھر ان نام نہاد زندوں میں ایک حیاتِ ایمانی پیدا کردے۔ اور ایک زندہ کروڑوں مسلمانوں کو اس بیحیا موت سے نجات دِلاکر اسلامی زندگی کے لطف سے آشنا کردے۔ ؎

اے بادشہِ خوباں داد از غمِ تنہائی
دل بے تو بجاں آمد وقت ست کہ باز آئی

بہرحال جب تک رشتۂ حیات باقی ہے۔ احساس بھی ضروری ہے۔ اور یہ اُسی احساس کا نتیجہ ہے کہ جب ایک جگہ مسلمانوں پر ظلم و ستم ہوگا تو دوسری جگہوں کے مسلمان یقیناً مضطرب و بیقرار ہوجائینگے جب کوئی اِسلامی حکومت فنا ہوگی تو بیشک مسلمانوں کا چین و آرام نیست ہوجائیگا۔ ہاں یہ فرق البتہ ضرور ہے کہ بعض جگہوں سے نسبت زیادہ قوی اور تعلقات زائد گہرے ہیں جس طرح جسم میں بعض اجزاء کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اِسیطرح دولِ اسلامیہ میں ایک کو

دوسرے پر افضلیت ہے۔ اسی لحاظ سے مسلمانوں کا تعلق جو سلطنت ٹرکی سے ہے وہ زائد بیکل و مضطر کرنیوالا ہے۔ اس سلطنت کی مثال سر کی شکل ہے اور دیگر دول اسلامیہ مثل دیگر اعضا و جوارح کے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں اور وہ زندہ رہے۔ اسیطرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کے دونوں پاؤں قطع ہوجائیں اور وہ بقیہ حیات کے ایام پورے بسر کرے۔ لیکن یہ کسیطرح ممکن نہیں کہ ایک سر بریدہ ایک لمحے کے لیے بھی زندہ کہا جاسکے یا رہ سکے۔ لہذا باسباب ظاہر سلطنت ترکی کا زوال اسلامی محافظ کا زوال نیابت الہی کا دنیا سے فنا ہونا عدم ہوتا ہے۔ گو قدرت خداوندی سے یہ امر مستبعد نہیں کہ وہ انکو مثال کسی اور کے ہاتھ میں اسلامی شمشیر کا قبضہ عطا فرماے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ لیکن جب تک ان کے ہاتھوں میں لواے احمدی ہم دیکھتے ہیں ہمارا دل بیساختہ اسطرف کھنچ جاتا ہے اور اسلامی غیرت کشاں کشاں اس جھنڈے کے نیچے مسلمانوں کو درمے قدمے سخنے غرض کسی نہ کسی طرح لے ہی آتی ہے ؎

تا ز میخانہ و مے نام و نشاں خواہد بود ۔۔۔ سر ما خاک رہ پیر مغاں خواہد بود

اگر مسلمانوں کی قلبی کشش اس سلطنت کی جانب نہو تو یہ باعث تعجب و مقام تحیر ہوگا ہم دیکھتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں متولی خانہ کعبہ تمام قبائل عرب کا مخدوم و مطاع تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور اس کی یہ تعظیم محض ان خدمات جلیلہ کے سبب ہوتی تھی جسے وہ انجام دیا کرتا تھا اور وہ چھ خدمتیں تھیں۔ (۱) سقایہ۔ حجاج کو پانی پلانا۔ (۲) رفادہ۔ ایام حج میں حجاج کو کھانا کھلانا (۳) حجابہ۔ خانہ کعبہ کی کلید برداری۔ (۴) لوا۔ جنگ کے وقت جھنڈا اٹھانا (۵) قیادہ۔ لڑائی میں سپہ سالار ہونا۔ (۶) صدارۃ دار الندوۃ۔ اب اسوقت بجز ایک خدمت یعنی حجابہ ما بقیہ خدمتیں سلطان روم کی ذات سے قائم ہیں۔ نیز وہی محافظ ہے حرمین شریفین کا۔ وہی جاروب کش ہے نجف اشرف کا۔ وہی خدمت گذار ہے بغداد شریف و بیت المقدس کا۔ پھر یہ کیسے ستم کی بات ہوگی اگر مسلمان اس امر کا لحاظ نکریں جسکا لحاظ

مشرکین تمسک کرتے تھے مقبوضاتِ سلطانی میں ان مقاماتِ مقدسہ کا ہونا ہمیں اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ ہم سلطان کی عظمت کریں اور اُسکی خدمتگذاری کو سعادت سمجھیں۔ اِسلیے کہ جو خدمت کہ اسوقت سلطان انجام دے رہے ہیں وہ قطع نظر اس سے کہ تمام مسلمانوں کو اپنا زیر بارِ احسان کر رہے ہیں بنفس الامر میں وہ خدمتیں نہایت ہی معظم و محترم ہیں۔ اس خدمت کی حرمت میں صرف اسقدر رکھنا کافی ہوگا کہ کعبے کی بُنیاد جسوقت کہ ابراہیم خلیل اللہ نے تیسری بار بمعیت اپنے فرزند اسمٰعیل کے رکھی۔ اور اُسے بنا کر طیار کیا۔ ربّ العزۃ نے اُنکی طرف حکم بھیجا وَطَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ اے ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور معتکف رہنے والوں اور رکوع و سجود کرنیوالوں کیلیے خوب پاک صاف رکھو

آج یہ خدمتِ جلیلہ سلطان کے ہاتھوں انجام پا رہی ہے۔ اللہ اللہ یہ وہ مبارک خدمت ہے جسکے لیے ایسے ایسے جلیل الشان انبیاء علیہم السلام مامور ہوئے۔ یہ وہ جگہ ہے جسکی آبادی دنیا کی رونق و بقا کی موجب اور جسکی بربادی دنیا کی ہلاکت و تباہی کی علت۔ یہ وہ مقام ہے جسے بیت اللہ و بیت الحرام کا لقب حاصل ہے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ معزز مکان تو باقی نہ رہے اور خدا کے نافرمانوں کی عمارتیں سر بفلک کشیدہ رہ جائیں۔ اسے یوں سمجھیے کہ جب کبھی سلاطین کسی جگہ کو پسند کرتے ہیں تو پہلے سب سے شاہی خیمے یا محل کی جگہ تجویز ہوتی ہے اسکے بعد اراکین و اعیانِ دولت کی جگھیں مقرر کیجاتی ہیں۔ اسیطرح جب اُس جگہ سے نقل و حرکت منظور ہوتا ہے تو سب سے پہلے شاہی خیمہ اُکھڑتا ہے اور اُسکے بعد دیگر اشخاص کے خیام سے وہ زمین خالی ہو کر پھر بدستور ویران و سنسان ہو جاتی ہے۔ پس بلاتشبیہ اس مقام پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جب دنیا کو فرزندِ آدم سے آباد کرنا مقصود ہوا تو سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر ہوئی کیسے ہوئی کسطرح ہوئی اِسکا کوئی پتہ ابراہیم خلیل اللہ سے پیشتر نہیں چلتا۔ حالانکہ تعمیر ابراہیمی تیسری تعمیر ہے۔ اب جبکہ شاہی خیمہ نصب ہو چکا تو انسانوں کی آفرینش ہوئی پھر ان میں تمدن آیا اور مکانات کی تعمیر شروع ہوئی۔

اب اگر یہ چاہتے ہو کہ دنیا اِسطرح لہلہاتی رہے تو خدا کے گھر کی عظمت قائم رکھو۔ ورنہ جبدن
اسپر حملہ ہوا اُسیدن دنیا کا تخت اُلٹ دیا جائیگا۔ جب خدا کا حرم رسولؐ کا حرم مصئون
محفوظ نہ رہسکیگا تو پھر اُس روز اس عالم کی دھجیاں بکھیر دی جائینگی آسمان پاش پاش ہوگا اور
زمین ریزہ ریزہ نہ آفتاب ہوگا نہ ماہتاب نہ یہ لیل و نہار ہونگے۔ نہ اِسطرح دن عید اور
رات شب برات ہوگی۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا
لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ہ مسلمانوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ خدا کا وہ گھر جس سے بقائے دُنیا وابستہ ہے
ہمیشہ سے انھیں کے اسلاف اُس گھر کے خادم رہے۔ وہ شہر جسمیں کعبہ ہے یعنی مکہ معظمہ اُسکے آباد کرنیوالے
اور اُسپر قبضہ رکھنے والے عرب ہی رہے ہیں۔ جو خصوصیت مکہ معظمہ کی سرزمین کو مسلمانوں سے ہے وہ یہی
نسبت کسی قوم کو کسی خطۂ زمین کیساتھ حاصل نہیں۔ اِسیلئے حقیقی حریّت اسلام میں پائی جاتی ہے۔
اور عربونکے عادات و اخلاق میں خودداری۔ یہ کسقدر حسرتناک سماں ہوگا کہ ہزاروں برس سے جو
زمین کہ مسلمانونکے قبضے میں چلی آرہی ہو۔ اور اُسکے اصلی باشندے بھی یہی رہے ہوں۔ اب ان کے ہاتھ سے
اور اغیار کے قبضے میں چلی جائے۔ سنو! حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) جبکہ اسمٰعیل علیہ السلام
اپنے بیٹے اور حضرت ہاجرہ اپنی بی بی کو مکہ معظمہ میں بحکم رب العٰلمین لاکر چھوڑ گئے اُسوقت یہ ریگستان
بالکل ہی ویران و سنسان تھا۔ وہ جگہ جہاں کہ بیت اللہ تعمیر ہوا ایک بلند تودہ کیصورت میں تھا۔
بعد چند دنوں کے چاہ زمزم برآمد ہوا۔ بنو جرہم کا قافلہ اُسطرف سے گذرا۔ پانی دیکھکر اقامت کا ارادہ
ہوا حضرت ہاجرہ سے اجازت لینے کے بعد یہ قافلہ وہاں سکونت پذیر ہوا۔ کچھ دنوں بعد حضرت
ابراہیمؑ تعمیر کعبہ کیغرض سے تشریف لائے۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ جنکی عمر اسوقت تیس برس کی تھی
اپنے باپ کیساتھ ملکر تعمیر کعبہ میں مشغول ہوئے۔ اور نہایت اخلاص و کمال عبودیت کیساتھ
اِس حکمِ الٰہی کی تعمیل فرماتے اور دعا کرتے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ہ
خانہ کعبہ بنکر طیار ہوا۔ اُسکی خدمت حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق رہی۔ اُن کے بعد اُن کی
اولادوں اور عزیزوں میں یہ خدمت جاری رہی۔ یہاں تک کہ قصی ابن کلاب جو پانچویں

پشت میں اجدادِ رسول اللہ صلعم کے ہیں اس خدمت سے مستفیض ہوئے۔ اسکے بعد برابر یہ خدمت خاندان قریش میں چلی آئی۔ جب خلفائے عباسیہ کا دور ختم ہوگیا اور برائے نام بھی انکی خلافت باقی نہ رہی۔ اور مصر کو سلطان محمد سلیم ثانی نے چراکسہ کے ظالم ہاتھوں سے رہائی دی اسوقت سے اسوقت تک یہ خدمت خاندان آلِ عثمان میں چلی آتی ہے۔ محافظتِ حرمین شریفین اور نیز انکی شکست و ریخت کا مرمت کرنا تمام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے۔ اسوقت سلطان روم اُن تمام مصارف کو برداشت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس فرض کیطرف سے سلطان کے اس فاضل احسان نے سبکدوش کر دیا ہے۔

حرمین شریفین کا انتظام۔ ان مقامات کی تحسین و تزئین بیت اللہ و بیت الرسول کے قنادیل کا روشن کرنا۔ ائمہ و موذنین و خدمتیانِ دین متین کی خدمت حکام سیاسی و انتظامی کا تقرر و تنخواہ سب خزانۂ سلطانی سے ادا ہوتا ہے۔ ہر سال ایک جدید غلاف سے خانہ کعبہ کو مزین کرنا سلطنتِ ترکی ہی کے ذمہ ہے۔ غلافِ خانہ کعبہ ایک قدیم الایام سے جاری ہے۔ اُسکو آنحضرت نے بھی جاری رکھا۔ پھر خلفائے اربعہ نے بھی اس سنتِ رسول کو زندہ و قائم رکھا۔ اور الحمدللہ کہ اسوقت تک تو یہ سنت جاری ہے۔ والغیب عنداللہ۔

کیا یہ امر قابلِ افسوس نہیں کہ بیت اللہ جو مسلمانوں کا مرکز ہو اُسکی تزئین جاتی رہے اور ہمارے مکانات عمدہ ساز و سامان سے آراستہ ہوں۔ کیا یہ ڈوب مرنیکی بات نہیں کہ روضۂ رسول اللہ و خانہ کعبہ میں قنادیل روشن نہ ہوں اور ہمارے گھروں میں برقی روشنیاں و موم بتیاں جگمگا رہی ہوں۔ افسوس ہم اپنے فرائض سے ایسے غافل رہے کہ اسوقت اس خدمت کی اہمیت تک ہمارے قلوب سے محو ہوگئی کاش ایک سالانہ رقم مسلمانوں کے ہر گروہ سے خدمتِ سلطان میں ان امور استہ مقدسہ کیلئے پہونچا کرتی۔ تو آج ہم میں یہ مجبور نہ ہوتا۔

حضرت تمیم داری جو صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں ملک شام سے جب واپس تشریف لائے تو چند قندیلیں اپنے ساتھ مسجد نبوی کیلئے لیتے آئے۔ مدینۂ طیبہ پہونچکر مسجد نبوی میں انکو آویزاں کر کے روشن کیا۔ جب آنحضرت صلعم تشریف لائے اور مسجد کو قندیلوں کی روشنی سے

تاباں و درخشاں دیکھا تو بہت ہی خوش ہو کر تمیم داری سے فرمایا۔ نورت المسجد نور اللہ علیک تو نے میری مسجد روشن کی۔ اللہ تیری آنکھوں کو روشن فرمائے۔ اس سے خیال کرو اس شخص کی خدمت کو جو مسجد نبوی روضہ مقدسہ۔ کعبہ مسجد بیت الحرام۔ ان تمام اماکن مقدسہ و متبرکہ کو روشن رکھنے پر دستور کے تابع آج ہی جاری رکھ۔ کاش آستانہ مصطفوی فروزندۂ مشعل مسجد نبوی تباہ و برباد ہو رہا ہی اور ہم نہایت سکون و اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ گویا اسکا کوئی اثر مرکزی مقام پر مسلمانوں تک نہیں پہونچا۔ یا ایسے مقامات مطہرہ پر اغیار کا تصرف مسلمانوں پر ایک سخت ہولناک بار پر ہیں الٰہی عائد نہیں کرتا۔

ہائے افسوس اللہ کا حرم رسول کا حرم نجس اقدام کا گذرگاہ ہو۔ اور ہم زندہ رہ جائیں عزیزو! مدینہ طیبہ وہ جگہ ہی جہاں امام مالک کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر نہ نکلے۔ بلکہ یہ فرماتے تھے کہ جس زمین پر اللہ کے محبوب کا قدم پڑا ہو اس جگہ کو گھوڑے کے سموں سے روندنا میرے لئے موجب شرم و حیا ہے۔ آج اس ارض مقدس کو نجس قدموں سے پامال کیا جا رہا ہے ہر چہار سمت سے دشمنوں کا نرغہ ہی۔ اور ایک ضعیف و ناتوان جسم سے کے مقابلے میں سینہ سپر ہو۔ اعدام پر اسلام کے ہیں متفق اعداء + الکھوں ہیں عدو خادم حرمین ہی تنہا۔ واحسرتا و دردا + سب سے بڑھکر تحسر و تاسف تو اس امر کا ہی کہ کوئی دوسری طاقت اسکے قائم مقام ہوتے ہوئے دکھلائی نہیں دیتی۔ اس سے پیشتر بھی مرتدین نے ایسا ہی قصد کیا ہی مگر اسوقت قوۂ دفاعی اسلام کی مضبوط تھی۔ اور شمشیر اسلامی براں۔ مسلمانوں میں غیرت تھی۔ اہل ایمان میں حمیت اپنی جانیں قربان کردیں۔ اور اٹھتے ہوئے فتنہ کو نیست و نابود کردیا۔ بعد اسلام دو حملے حرمین شریفین پر ہوئے۔ پہلا یزید لعین کا دوسرا محمد بن عبد الوہاب نجدی علیہ ما علیہ کا۔ جسکو امیر مصر کے فرزند نے بحکم سلطان محمد سلیم ثالث بااحسن وجوہ انجام دیا۔ اب تو مصر میں طاقت ہی نہ ترکوں میں قوۃ۔ نہ معلوم کیا ہونا ہی اور کیسے کیسے مصائب سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑیگا۔ اسلام کی قوۃ دفاعی کا مٹ جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ کان کھولکر سن لو۔ کہ گر خادم حرمین خستہ و برباد + یہ بات رہے یاد + مکہ ہی مدینہ ہی نہ بغداد نہ بصرہ۔ واحسرتا و دردا سلطنت ترکی کا زوال صرف اسی حیثیت سے خون نہیں رلاتا ہی کہ ایک اسلامی بادشاہت غلامی سے مبدل ہو رہی ہی۔ بلکہ اسلام کا محافظ سپاہی کتاب اللہ کا نگہبان دفاعی جو اس دنیا میں قائم کیا گیا تھا

آج وہ بے سہارا ہے۔ اس دین الٰہی کا جو رسول اللہ خاتم النبیین حبیب رب العٰلمین کی گود میں پلا تھا اب کوئی محافظ نہ رہا۔
افسوس کہ اسلام ہے بے مونس و یاور۔ کوئی نہیں سر پر۔ خالد بن ؓ جعفر بن ؓ عباس ؓ حمزہ ؓ۔ واحسرتا و دردا
آہ۔ وہ عادلانہ و حکیمانہ جہانگیری و جہانبانی کا شمع جو تیرہ سو برس سے مختلف انجمنوں کو روشن کرتا رہا آہ
چراغ سحری سے بھی زیادہ دھندلا پڑ گیا۔ وہ چراغ ہدایت جو کبھی اسپین میں رونق محفل تھا اور کبھی بغداد میں زینت
مجلس کبھی اسکی شعاع مصر میں تھی اور کبھی فلسطین میں۔ ایشیا میں اسکے لمعات درخشاں تھے اور یورپ میں
اسکے انوار تاباں۔ افسوس کہ اس چودھویں صدی میں الحاد و تثلیث کے جھونکے اسے گل کیے دیتے ہیں
خداوندا تیری پناہ۔ اس پر ہماری یہ بے حسی ایک عجیب عبرتناک سماں ہے۔ ہمارے قلوب کا مسخ ہو جانا
چشم حقیقت بیں کو خون رولاتا ہے۔ اس مصیبت کو دیکھو پھر ہماری غفلتوں پر نظر ڈالو۔ گھر لٹ گیا خانہ برباد
ہو گئی۔ مرکزی مقام تزلزل میں آ گیا۔ مگر نہ ہمارے قلوب اس سے متاثر ہوئے نہ ہمارے حرکات و سکنات
قلبیہ پر اسکا کچھ نیک اثر پڑا۔ آج سے پہلے ہم جن تباہ کن افعال و اعمال میں مبتلا تھے آج بھی انھیں
کرداروں سے دلچسپی لے رہے ہیں۔ ہم میں کوئی خیال اسکا پیدا نہیں ہوا کہ خادم حرمین جب اس طرح ضعیف
بلکہ فنا کے قریب آ پہونچا تو اسکی محافظت کا کیا انتظام ہونا چاہیئے۔ ترکوں کی شکست بجائے اسکے کہ کسی ہمدردی
پر ہمیں آمادہ کرتی۔ ہم میں غیرت دینی و حمیت اسلامی پیدا ہوتی اور بھی سستی و کاہلی و عدم مبالات کا
سبب ہو گئی۔ جا بجا باثر و موثر طبقوں میں یہ مسئلہ طے کیا گیا کہ خلافت کا مصداق سلطنت ترکی ہو نہیں سکتی
پس مسلمانوں پر کوئی حق اسکا واجب نہیں۔ نیز اس امر پر بھی زور دیا گیا کہ ترکوں میں بیدینی بدرجہ کمال ہے۔ لہذا انسے
چشم پوشی ضروری ہے۔ ایک اور جماعت ذی وقعت و حشمت ہندوستان میں نئی تعلیم یافتوں کی ہے۔ اس جماعت کا حصہ
جو برسر اقتدار ہے چونکہ نعمت دینی سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اسلیئے ان نئے ترکوں سے نظر التفات پھیر لینے کے دو دوسرے وجوہ قرار دیئے
اولاً انکا علوم و فنون جدیدہ سے ناواقف ہونا۔ ثانیاً ترکوں میں عدم قابلیت تمدنی و سیاسی۔ پھر ایسی سلطنت
جو یورپ کے مفید علوم سے جاہل ہو اور اسمیں سلطنت کرنیکی ویسی قابلیت نہو جیسا کہ دول یورپ میں ہے
اسکی مستحق ہے کہ فنا کر دی جائے۔ اور اسکی جگہ میں ایک مہذب قوم حکمرانی کیلئے جانشین ہو۔

نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ اَنفُسِنَا۔

خلافت

ہم اولاً نہایت اختصار کے ساتھ مسئلہ خلافت سے بحث کرتے ہیں تاکہ ناظرین پر یہ امر تمام ہو جائے کہ اس طرح کی باتیں تقدس واتقا کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ تن آسانی و لذاتِ دنیاوی ان کلمات کی محرک ہیں۔ حقیقت یوں ہے کہ خلافت اپنے حقیقی معنوں میں تو خلفائے اربعہ تک قائم رہی۔ اُسکے بعد سلطنت و بادشاہت تھی۔ حقیقی خلافت کی جھلک بعد خلفائے راشدین عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں پائی گئی۔ پھر تو اسکی نظیر بالکل ہی مفقود ہو گئی لیکن پھر بھی مسلمانوں کا بادشاہ خلیفۃ المسلمین و امیرالمؤمنین کہا ہی جاتا تھا۔ بنو اُمیہ وعباسیہ کی سلطنت کا مطالعہ کرو اور ایک نظر خلفائے اربعہ کے عہد کی طرف ڈالو۔ تو تمہیں صاف فرق خلافت و سلطنت میں معلوم ہو جائیگا۔ لیکن چونکہ یہ سلطنتیں اسلامی تھیں اور مقامات مقدسہ کی محافظ اور اسلام کی قوتِ دفاعی ان ہی سے قائم تھی۔ اس لیے عامۂ مسلمین یہاں تک کہ علمائے ربانی بھی انھیں خلیفہ ہی کہتے رہے۔

خلافت کی جو تعریف کہ شریعت نے کی ہے اُسکے الفاظ یہ ہیں۔ الخلافة هي النيابة عن النبي صلے الله عليه واله وسلم في حراسة الدين وسياسة الدنيا فهي جامعة للرياستين لكمال الدين الاسلامي جامع لمصالح المعاش والمعاد ومبني علے اساس للسلطنتين الزمنية والروحية۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا نام خلافت ہے دین کو محفوظ رکھنا اور سیاستِ دنیا کو قائم رکھنا خلیفہ کا فرض منصبی ہے پس خلافت دین و دنیا دونوں ریاستوں کو اُسیطرح جمع کرنے والی ہے جیساکہ ان دونوں کا دین اسلامی جامع ہے۔ اسمیں کوئی شبہہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کا زمانہ نہایت ہی خیر وبرکت کی جامعیت کا زمانہ تھا۔ اور ان میں سے ہر خلیفہ کی ذات ایک کامل نمونہ تعلیماتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی

قربان جائیے اُس تعلیم پر اور نثار ہوجیئے اُس معلم پر جس نے عرب کے دشتیوں اور بادیہ نشینوں کو اس مسند پر لاکر بٹھا دیا جس پر فلاطون وارسطو کو بھی بیٹھنے کی تمنا ہی لگی۔ ان جانشینوں کے عہد میں مسلمانوں کی دینی و دنیاوی صلاح و فلاح سب خلیفہ کی ذات سے وابستہ تھی۔ اور اُنھیں کسی دوسری طرف التفات کی حاجت نہ تھی۔ بعد اسکے کہ یہ مبارک زمانہ گذر گیا اور بنو اُمیہ کا دور شروع ہوکر جمہوریت و انتخاب فنا کردیا گیا۔ مسلمانوں کے مطالب کئی سمتوں میں منقسم ہوگئے۔ معاش خلیفہ کی بارگاہ میں لیجاتا ہے۔ اور معاد ائمہ اہل بیت کے آستانوں پر حاضر کرتا ہے۔ اب جبکہ بارگاہ خلافت علم باطن سے بالکل ہی مفلس ہوچکی ہے جس سے روح کی پرورش ہوتی ہے اور تزکیہ نفس میسر ہے۔ جسکے بغیر خدا کی عرفان اور جذبات پر قدرت قریب قریب ناممکن ہے شریعت کی تعلیم بھی فقہا و محدثین کے حصے میں آچکی ہے۔ مگر پھر بھی خلافت کا لقب اس سے سلب نہیں ہوا چنانچہ آجتک بنو اُمیہ اور عباسیہ کے ساتھ خلفاء کا معزز لقب کہا ہی جاتا ہے یا الفاظ دیگر یوں سمجھو۔ کہ جب خلفائے اربعہ تین مسندیں الگ الگ قائم ہوگئیں۔ ایک تو بارگاہ سلاطین کی تھی۔ انھوں نے اُس شمشیر الٰہی کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفاظت دین الٰہی کے لیے بمقابلہ اعدا امت میں امانت چھوڑ گئے تھے۔ دوسرے ائمہ اہل بیت تھے جنکی باصفا اور عشق الٰہی میں ڈوبی ہوئی زندگی اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا مخلصانہ درس امت محمدی کو دیکر انکے قلوب کو مجلّٰی ومنور کرتی۔

تیسری جماعت علماء کی تھی۔ جنھوں نے من حیث العلم کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس شروع کردیا۔ قرآن وحدیث لوگوں کو سکھاتے۔ مسائل کا استخراج کرتے اور عبادات و معاملات کو محفوظ رکھتے اسطرح تین جماعتیں ملکر نیابت نبی کے اہم کام کو انجام دینے لگیں۔ لیکن خلیفہ وہی کہا جاتا تھا جسکے پاس دفع اعدا کے لیے شمشیر تھی۔

علماء اور صوفیا کا طبقہ کبھی اس خطاب سے مخاطب نہ ہوا۔ بلکہ جو خلفاء سے آمادہ پیکار ہوتا

اُسے دربارِ شریعت سے باغی کا خطاب ملتا تھا۔

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ جبکہ خلافت کا کام تین جماعتوں میں منقسم ہو گیا تو پھر سلاطین کو خلیفہ کہنے کی وجہ کیا۔ اگر نیابت کے ایک جزو کی تکمیل بھی خلیفہ کے مفہوم کو ادا کرتی تھی تو پھر صوفیا و علماء کو بھی خلیفہ کہنا چاہیے تھا۔ لیکن ایسا ہونا رہی سہی قوۃ کا بھی منتشر ہونا تھا۔

اسلیے کہ جب خلفاء میں جامعیت نہ رہی۔ اور دین و دنیا دونوں کو وہ سنبھال نہ سکے تو اُن سے دین کو علماء کے ہاتھ میں دیدیا جسطرح مختلف صیغے مختلف ماہروں کی نگرانی میں دیا جاتا ہے اسیطرح دین کی حفاظت مسائل شرعیہ عدالت علماء کے سپرد کر دی گئی۔ اور اسطرح خلافت کے دو جزوں کا تکملہ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا نے پورا کر دیا گو اس میں کبھی کبھی باہمی کشاکش بھی ہو جایا کرتی جس کا نتیجہ حسرت انگیز ہوتا۔ مگر پھر بھی اُن علمائے حقانی نے جنکی زندگی صدق و صفا سے معمور تھی۔ ہمیشہ اپنے علم سے شمشیر اسلامی کی نگہبانی کی اور ہمیشہ قوۃ و داعیہ کو خلیفہ کہتے رہے۔ اس کی مصلحت یہ تھی کہ سلطان کی طرف مسلمانوں کی توجہ اور اُن کے دل کا لگاؤ صرف اسی حیثیت سے نہ ہو کہ ہم اسکی رعایا ہیں اسلیے ہم پر اسکی اطاعت اور اسکے ملک میں امن رکھنا واجب آتا ہے بلکہ یہ خیال ہونا چاہیے کہ سلطان اسلام کی وہ قوۃ و طاقت ہے جس سے دین کی حفاظت ہے اسلام کا بچاؤ ہے۔ تاکہ مسلمان اُس حال میں جبکہ اُسکی رعایا نہ بھی ہوں یہ خیال انہیں خادم حرمین سے وابستہ رکھے اور ہر طرح کی امداد و معاونت پر مجبور کرے۔ اور بصورت رعایا ہونے کے اُن کی دلسوزی و محبت اور بھی زیادہ ہو جائے اور اسطرح بقائے سلطنت اسلامی سے ہر طرح کا فائدہ اخلاقی تمدنی مذہبی مسلمان حاصل کر سکیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ جس ملک میں اپنی سلطنت ہو اور اسکے ساتھ ہی دشمنوں کے حملے سے امن ہو۔ اپنے میں قوۃ و طاقت جانداری کی ہو۔ تو پھر علم و فضل سے وہ ملک آراستہ و پیراستہ ہوتا ہے۔

جرمن و فرانس و انگلینڈ جو موجودہ زمانے میں ترقی کر رہے ہیں اُسکی بُنیاد اپنی سلطنت کا وجود ہی۔ خود مسلمان ایامِ ماضیہ میں جبکہ دیار و امصار کو فتح کرتے تھے تو اُسکے ساتھ ہی ساتھ اُن کے اقلام علوم و فنون کو فتح کرتے جاتے تھے۔ بیشمار علوم اُن کے عہدِ سلطنت میں ایجاد ہوئے۔ کتنے مردہ فنون میں عربوں نے جان ڈالی۔ دُور کیوں جائیے۔ ہندوستان ہی کو لیجئے اور اسکے اُس عہد پر نظر ڈالئے جبکہ سلطنت جاچکی ہے مگر اُسکا اثر ہنوز باقی ہے صرف اُسکے وجود نے ایسے ایسے علماء و کملاء پیدا کیے کہ آج اُن کے کلام کا سمجھنا فضلائے اہل کے لیے موجب افتخار ہے۔ مگر افسوس جبکہ علوم مغربی نے اپنا سکہ جمایا۔ اور اپنی سلطنت علوم اسلامیہ کی حمایت کیلئے باقی نہ رہی تو پھر کیا حالت جہالت و بیعلمی کی ہوئی۔ تم خود دیکھ لو وہی ہندوستان ہی۔ مگر کوئی شاہ ولی اللہؒ و شاہ عبدالعزیزؒ کا رتبہ حاصل نہیں کرتا وہی سرزمین ہی لیکن کوئی فضلِ حق و بحر العلوم پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ مطابع کی کثرت اور کتابوں کی ارزانی ہی۔ ایک چھوڑ پانچ یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ پچاس برس سے تعلیم پوری سرگرمی سے جاری ہے۔ ولایت بھی بکثرت کھیپ مسلمانوں کی جاتی ہی۔ اور ہزاروں صرف کرکے سند بھی لا رہی ہے۔ لیکن کوئی ان میں سے علوم مغربی کا ویسا ماہر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اب سے برس پیشتر علوم شرقی کے اساتذہ کامل الفن پائے جاتے تھے۔ یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کرلینا اور ہے اور فن کا عالم و ماہر ہونا چیزے دیگر است۔

وہاں یارکجا و زبانِ سوسن کو   نہ ہر کلے کہ بجنند دمقسری اند

پس انھیں وجوہ سے علماء نے اسلام کی قوتِ دفاعی کو خلافت کے لقب کا سزاوار قرار دیا اور خود اُن کے دست و بازو ہوکر رہے۔ آج سلطانِ رُوم بھی اسی لحاظ سے خلیفہ کہے جاسکتے ہیں اور اس معنی میں وہ بیشک خلیفہ ہیں۔

اسوقت اسلام کو اغیار کے دستبرد سے اگر کوئی طاقت بچانیوالی ہے تو وہ سلطان ہی کی ہے۔ اسی لیے علمائے مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً اس سلطنت کی خیرخواہی تمام

مسلمانوں کیلئے واجب قرار دیتے رہے۔ اور اُن کے بقا و نصرۃ کی دعائیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مسجد الحرام میں فرماتے رہے۔ علمائے حرمین کا جسکی خیرخواہی پر اجماع ہو۔ اُسے ہندوستان کے تن پرور اور جھوٹی عزت پر مرنیوالے عالم نما مولوی خلاف تدین بتلائیں یہ ایک عجب تماشا ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز | بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آپ اگر تفحص کیجئے تو یقیناً دنیا کے دین کے پیچھے ایسے مدعیان علم دین کو مبتلا پائینگے اور اُنکی صحبت ایسی سنگدلی و بیغیرتی کی موجب ہوگی۔ نہ دین نہ تقویٰ۔ آپ بھی ایسے رہزنِ دین کو قدموں سے ٹھکرا دیجئے اور ان مصنوعی پرہیزگاری پر لعنت بھیجئے ؎

بخیز تا بکشوئیم ایں دلق ازرق فام را | بہ بادِ قلاشی نہیم ایں ننگ تقویٰ نام را

اب رہی یہ بات کہ ترکوں نے بیدینی کی۔ الحاد و لامذہبی ہے جو آجکل ہندوستان کے مسلمانوں کے منہ سے کس قدر زیب دیتا ہے اسکو ہم ناظرین ہی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ یہاں غلامی و افلاس کے ساتھ بیدینی ہے اور وہاں دولت و حکومت کیساتھ ؎

نہ تھی اپنے گناہوں پہ جبکہ نظر تو رہے دیکھتے غیروں کے عیب و ہنر
پڑی جب سے اپنے گنہ پہ نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اسمیں کوئی شک نہیں کہ یورپ کی مسموم تہذیب سے جب ترکوں میں آئی دین میں تہاون اُن سے ہونے لگا جسکا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں جب تک خدا کا خوف ان پر غالب رہا۔ دُنیا اِن کی ہیبت سے کانپتی رہی۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اُن کے احکام کی عظمت اُن کے دلوں میں تھی۔ اُسوقت تک اُنکی دہشت و جبروتی اکناف عالم میں تھی اور جب سے یہ شریعت کی راہ سے بیگانہ اور تہذیب یورپ سے یگانہ ہوئے ہر روز ایکقدم پیچھے ہی ہٹتے گئے۔ یہانتک کہ قعرِ نیستی کے کنارے پر آگئے ہیں۔ اگر اب بھی بیدار ہوگئے تو پھر دنیا اِن کی مطیع ہے ورنہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مذہب سے کنارہ کش ہوکر مسلمان ایک انچ بھی

ترقی نہیں کرسکتے اور یقیناً مسلمان اسلام سے الگ ہو کر اگر ہفت اقلیم کے سلطان بھی ہو گئے تو کیا ہوا
لعنت ہے اُس سلطنت و عزت پر جو اسلام سے الگ ہو کر ملتی ہو اور ملعون ہے وہ زندگی جو اسلامی ایمانی
اُصول پر نہو۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا
و بمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیا و رسولا۔ دیکھو سلطان عبدالحمید خان کا زمانہ ہے۔ اس سلطان کے عہد میں
دین سے کچھ بے پروائی ہوتی ہے اور یورپ کی چمکتی دمکتی تہذیب معاشرت سے فریفتگی پیدا کیجاتی ہے۔ یہ امر
فتح یورپ و شکست ترکی کا دیباچہ و مقدمہ ہوتا ہے۔ اہل یورپ جب کسی ملک کو اپنے زیر نگیں لانا چاہتے ہیں
تو پہلے وہاں کے باشندوں سے مراسم بڑھا کر اُنکے اخلاق و عصبیت کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ جب اسمیں کامیابی ہوتی ہے
اور اخلاق و معاشرت بالکل تباہ و برباد ہو جاتی ہے تو اسلئے اُس ملک کی تمام دولت سمٹ کر یورپ پہونچ
جاتی ہے۔ ملک مفلس ہو گیا اہل ملک اخلاقی و معاشرتی زندگی میں یورپ کے دلدادہ ہو گئے تو پھر وہ ملک ساتھ
سہولت سے فتح کر لیا جاتا ہے۔ ملکوں کا فتح کر لینا اسقدر آسان ہے جیسا کہ اخلاق و عصبیت کا فتح کرنا اہم و دشوار ہے۔
فاتح قوم اگر اخلاق و معاشرت میں مفتوح سے پست ہوتی ہے تو نتیجہ اسکا یہ ہوتا ہے کہ ملک کا فاتح اخلاق و
معاشرت میں مفتوح قوم سے شکست کھا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ دو ایک نسلوں کے بعد فرق فاتح و مفتوح حاکم و محکوم
مٹ جاتا ہے جیسا کہ تاتاری جنگجو بغداد کو تباہ و برباد کر کے فاتحانہ حیثیت سے وہاں داخل ہوئے تو عربی اخلاق و
معاشرت نے پہلے انھیں مسخر کر لیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح قوم خود مسلمان ہو کر اسلام کی خادم ہو گئی لیکن جس
ملک کے پہلے اخلاق و معاشرت و عصبیت فتح ہو چکے ہوں تو پھر اُسکے فلاح کی کیا صورت ہے۔
اسی لحاظ سے یورپ نے پہلے ترکی کو من حیث اخلاق آہستہ آہستہ مسخر کرنا شروع کیا اپنی دوستی ظاہر
کی ملمع باتوں سے اپنی خیرخواہی کا یقین دلایا۔ اور بہت سے نادر و سرسبز و شاداب مقامات اپنے ہاتھوں
میں بطور ٹھیکے کے لیے۔ اسوقت جس قطعہ زمین کا [illegible] روپیہ سالانہ یورپ سلطان کو دیتا ہے اُسکی آمدنی
پچاس ہزار یومیہ ہے۔ جو ملک کہ ٹھیکے پر دیا گیا انجام اُسکا ہاتھ سے نکل جانا ہوتا ہے۔ اور پھر ٹھیکہ بھی
دس بیس برس کا نہیں بلکہ سو سو برس کا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہ۔ ایک بڑا حصہ ملک کی آمدنی کا
تو اسطرح ٹھیکے کی بدولت تباہ و برباد ہوا۔ اب اُس حصے ملک کو دیکھئے جو ٹھیکے پر نہیں ہیں بلکہ اُنکا

انتظام خود منتظمان سلطانی کے سپرد ہے۔ اُن ممالک میں نہ تجارت ہے نہ زراعت ہے نہ صنعت و حرفت ہے اور یہی چیزیں ہیں جن سے ملک کی آبادی اور دولت کی افزونی ہوتی ہے اور جو سلطنت زیادہ مالدار ہے وہی مضبوط و قوی ہے خاصکر اس زمانہ میں تو قوت و طاقت مال کا مُرادف ہو گیا ہے۔ اب نہ بہادر اشخاص درکار ہیں نہ اشخاص میں بہادری کی ضرورت ہے۔ میدانِ جنگ میں صرف روپیہ کی ضرورت ہے جو سلطنت خوب صرف کر سکتی ہے فتح کا نقارہ اُسکے نام بجتا ہے۔ اب جبکہ سلطنت ترکی بے زر ہے تو یقیناً میدان میں اُسے شکست پانا ہے۔ خرچ کے ابواب کھلے ہوئے ہیں اور آمدنی کے فراخ دروازے بند تو پھر مفلس نہ ہو تو کیا ہو۔ علم الاقتصاد کا مسئلہ اس امر کا مقتضی ہے کہ مشرق باعتبار مغرب کے متمول و ذی ثروت ہو۔ اسلئے کہ جو ملک اپنے ضروریاتِ زندگی آپ پیدا کرتا ہے وہ دولتمند ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ بالعکس ہو رہا ہے صرف اسوجہ سے کہ یورپ نے تجارت و صنعت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ارباب مشرق ایسی تن آسانی میں مبتلا ہوگئے کہ صنعت و تجارت کے نام سے انھیں وحشت ہوتی ہے۔ لامحالہ اسکا یہی نتیجہ ہے کہ یورپ مالا مال ہو جائے اور ایشیا مفلس و قلاش۔ محروساتِ سلطانی میں عراق و شام وہ سرسبز و شاداب خطہ ہے کہ زمین تھوڑی ہی محنت سے سونا اُگلتی ہے مگر سلطنت کی کوئی توجہ اُسکی جانب نہیں۔ ترکی تجارت کی یہ حالت ہے کہ یہ اپنے روزمرہ کی ضروری چیزوں میں بھی یورپ ہی کے محتاج ہیں۔ بازار وہیں جائیے ہر بلاد مغرب کی ساختہ چیزیں آپکو دکھلائی دینگی۔ لیکن مقبوضاتِ سلطانی کی طیار شدہ چیز بطور تبرک بھی دستیاب نہ ہوگی۔ انتہا یہ کہ ترکی ٹوپیاں تک اٹلی، آسٹریا، لندن وغیرہ کی بنی ہوئی آتی ہیں اور کروروں کی ہر سال صرف مسلمانوں ہی کے ہاتھوں فروخت ہوتی ہیں۔ صنعت و حرفت میں اسقدر پیچھے ہیں کہ اشیاء کا ایجاد و اختراع تو ایک بڑی بات ہے کوئی ایسا کارخانہ بھی نہیں جہاں دوسروں کی ایجاد کردہ چیزیں بقدر اپنی ضرورت کے طیار ہو جاتی ہوں۔ کارتوس جیسی معمولی و ضروری چیز بھی سلطنت میں طیار نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی عیسائی تاجر ہی مہیا کرتے ہیں جسکا ادنے نتیجہ یہ ہوا کہ اس جنگِ بلقان میں کارتوسوں میں بجائے چھرّی کے لکڑیاں نکلیں۔ اسلامی اخلاق اسلامی تہذیب پہلے ہی مفتوح ہو چکے تھے اب ملک فتح کیا جاتا

اگر آپ غور فرمائینگے اور انصاف سے کام لینگے تو سیاسی پہلو کا ضعف اسلامی کمزوری کا معلول ثابت ہوگا۔ یعنی اگر ترکوں میں ویسا مذہبی جوش و دینی غیرت جیسا کہ مقتضائے اسلام ہے موجود ہوتا تو آج اس سہولت سے انھیں دشمن تباہ نہ کرتے۔ یورپ کی محبت نے نہ ماکل و مشارب میں انہیں مشاط رکھا۔ نہ اور و ماندمیں اسلامی شان باقی رکھی۔ یورپ کی لیڈی بی بی ہوتی ہے اور اُسکے بطن سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اسلام کے مفہوم سے محض ناآشنا۔ باپ کی شکل و صورت اسلامی نہیں۔ گھر میں شریعت کا عمل نہیں۔ ماں میں عیسائیت و دہریت۔ پھر اب بچہ غیور مسلمان بنکر ہو تو کیونکر ہو۔ صرف ٹرکش کیپ پہن ڈال لینے سے اسلامی جوش نہیں ہوتا ہے۔ والدین کا آغوش محبت بچے کیلئے پہلا مدرسہ ہے۔ اگر ماں باپ میں دینداری ہے تو یقیناً وہ بچہ بھی جوان ہو کر دین و مذہب کا متبع ہوگا۔ اور جسقدر مذہب کا اتباع ہوگا اُسیقدر اُسکی حفاظت میں سرگرمی ہوگی۔

سلطنت ترکی کی یہ چند خرابیاں سیاسی و مذہبی اس وجہ سے بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھی گئیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ سلطنت ترکی سے دلسوزی و ہمدردی و معاونت کرنیکے لیے جو شخص کہ کمربستہ ہے وہ ترکوں کے احوال سے محض ناواقف نہیں۔ اور اُسکی ہمدردی عدم واقفیت کے باعث نہیں۔ بلکہ وہ بہت کچھ جانتا ہے اور اُسکے علم کے ذرائع زائد قابل وثوق ہیں۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے اُن کے حقوق فراموش نہیں کیے جاسکتے بلکہ یہی وہ باتیں ہیں جو اور بھی اُخوۃ و ہمدردی پر مسلمانوں کو آمادہ کرتی ہیں۔

مثالاً یوں سمجھیے کہ اگر آپ کا بھائی یا فرزند مریض ہو اور امتداد مرض نے اُسے بدپرہیز بھی کردیا ہو۔ طبیب کی ہدایات پر کاربند نہ ہوتا ہو۔ تو آپ ایسی صورت میں اپنے اُس لختِ جگر فرزند۔ یا قوتِ بازو بھائی کو نصیحت فرمائیں گے۔ اور خود اُس کے پرہیز و دوامیں زائد سرگرم ہوں گے۔ یا زہر کا پیالہ پلا دینگے اگر کسی باپ نے اپنے بیٹے کو یا بھائی نے اپنے بھائی کو اسکے مرض یا بدپرہیزی سے خفا ہو کر زہر پلا دیا ہو۔ تو آپ بھی سلطنتِ ترکی کو عیسائیوں کے تسلط و تخریب کا زہر ہلاہل پلا دیجیے

میں نہیں سمجھ سکتا کہ جسکے دل میں ذرہ برابر بھی اسلام کا درد ہوگا وہ ایسے نازک عذر کے سبب ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہوئے تباہی اسلام کا تماشا دیکھتا رہ جائے جس دل میں خدائے واحد قہار کا خوف اور اُس اُمت نواز پیغمبر کی محبت ہی وہ سے سکون واطمینان کیونکر ہوگا جنہیں کچھ بھی حیا و غیرت ہوگی وہ ان واقعاتِ ہائلہ سے کیونکر بیداری حاصل نہ کرینگے۔

اگر بفرضِ محال اسوقت بھی مسلمانوں نے اپنے آپ کو نہ سنبھالا تو پھر کوئی اُمید ان سے نہیں کیجا سکتی۔ آج سے بیشتر جسقدر محاربات وقوع میں آیا کئے ان میں کوئی ایسا نہ تھا جسکا نتیجہ اسقدر ہیبت ناک ہوتا۔ یہ سلطنت اسلامی اُسوقت سے مٹ رہی ہی۔ جبکہ عام طور سے مسلمانوں سے تدین رخصت ہو چکا ہی۔ اور کوئی طاقت کسی قسم کی کہیں بھی مضبوط نہیں رہی ہی پس ہکو بہت جلد اپنے فرایض کو نہایت سرگرمی سے سرانجام دینا چاہئے۔ اسوقت پانچ امور پیش نظر ہیں۔ مصلحین اُمت غور فرمائیں اور کاربند ہونے کی کوشش۔ اور اگر یہ تمام عرض داشت فقیر گنج نشین کی انہیں بلوا سس بانگ بے ہنگام معلوم ہو۔ تو ردی کا ٹوکرہ پاس ہی ہوگا اُس کے حوالہ فرمادیں۔ مجھے اس پر کوئی شکایت نہیں۔ ؎

تو ہمرہی نہ مرا راہِ خویش گیر و برو
ترا سعادت باد امرا نگونساری

اب میں نہایت ہی مختصر الفاظ میں اُن اُمورات خمسہ کا مجملاً ذکر کرتا ہوں۔

اوّلاً نہایت ہی اہم و بہت ہی ضروری امر ہے کہ عرب کی قوم اسوقت بیدار کیجائے۔ بڑی زبردست قوم۔ بہت غیور قوم۔ کامل شجاع وآزاد قوم عربوں کی موجود ہی۔ بلکہ منکرات ایام نے انہیں اور ان کے بیش بہا قابلیتوں کو مستور و نہاں کر رکھا ہی۔ خلفائے عباسیہ کے عہد سے یہ قوم برابر پسی جارہی ہی آل عثمان نے بھی خدا کی اِس نعمت کو نگاہ امتنان وقدر سے نہ دیکھا۔ بلکہ تحفظ سلطنت کے خیال سے اِن کے جفا کا خنجر اور بھی عربوں پر تیز ہوگیا۔ اور اب اسوقت یہ قوم یہاں تک خستہ وشکستہ ہوگئی ہی۔ کہ کسی کا خیال بھی ان کی اصلاح کی طرف

مائل نہیں ہوتا۔ افسوس۔ ؎

پیسا ہی یہاں تک تری رفتار نے ظالم
آندھی سے میری خاک اُڑائی نہیں جاتی

اگر سلطنت کی جانب سے کچھ بھی ان کے اسباب تعلیم میں سہولت پیدا کیجاتی۔ تو آج سلطنت ترکی۔ علوم و فنون کا مرکز ہوتی۔ اگر آل عثمان سطح حیات پر انہیں اتنا دخل بھی دیتے۔ کہ فوج میں ایک رسالہ شجاعانِ عرب کا بھی ہوتا۔ تو آج عیسائیوں کو لڑتے ہوئے دانتوں سے پسینہ آجاتا۔ خیر مضیٰ ما مضیٰ۔ اسوقت مصلحین اُمت کا فرض ہی کہ بلاد عرب کا دورہ کریں اور اس امر کو غور کریں۔ کہ کس خطہ عرب میں کس نوعیت و فن کا دار العلوم قایم ہونا چاہئے۔ دمشق، بغداد، طرابلس، نجد، یمن، مکہ، مدینہ، ان تمام جگھوں میں مدارس قایم ہوں۔ مثلاً مکہ و مدینہ، ان تمام جگھوں میں دار العلوم قایم کئے جائیں۔ طائف میں صنعت و حرفت کا مدرسہ کھولا جائے۔ طرابلس و نجد میں سائنس کی تعلیم گاہ قایم کیجائے۔ غرض جس جگہ جس طرح کی تعلیم زائد مفید و مؤثر ثابت ہو وہاں اُسی کے ماہرین جمع کئے جائیں۔ اور تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا جائے۔ علمائے ربّانی اور قبائل کے شیوخ کا یہ فرض ہی کہ ان واقعات سے خود بھی بیدار ہوں اور تمام عربوں کو انا النذیر العریان کہکر نہایت سرگرمی و اخلاص و دلسوزی و ایثار سے بیدار کریں۔ ورنہ اگر اسوقت ذرہ برابر بھی تن آسانی اختیار کی گئی۔ تو دشمن اپنے تدلیس و تلبیس کے جال میں ان شہبازوں کو اسیر کرلے گا۔ اور پھر کوئی تدبیر کارگر نہوگی۔ عربوں کو خوب سمجھا دینا چاہئے۔ کہ دشمن کے تملق پر فریفتہ نہوں اُس کے ہاتھ میں شربت کا پیالہ نہیں ہی بلکہ زہر قاتل ہی۔ جس کا ذایقہ شکر سے مبدل کردیا گیا ہی۔ انکی نعمتوں کو لات مارو۔ اور اپنے فقر پر قانع رہکر سعی و کوشش کے قویٰ کو جنبش دو ؎

پائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

یاد رکھئے اگر یہ عرب بیدار ہو گئے۔ تو پھر ان کا پُر جوش مستانہ نعرہ اللہ اکبر تمام خوابیدہ مسلمانوں کو جگا دیگا۔ اسلام عربوں ہی کے ہاتھوں پھیلا ہے اور اس وقت بھی انہیں کا زبردست بازو۔ اس گرتے ہوئے ایوان کو تھام سکتا ہے ؎

خیز تا از فیض میخانہ کشادے طلبیم

بر در دوست نشینیم و مرادے طلبیم

ثانیاً یہ گزارش ہے کہ اس زمانے میں جبکہ اور قومیں مٹی سے سونا پیدا کر رہی ہیں ہم اشرفیوں کو خاک میں ملا رہے ہیں۔ ایام حج میں حجاج جو قربیاں کرتے ہیں۔ اُن کا کوئی مصرف بجز اس کے نہیں ہوتا کہ مذبوح جانور (جس میں اونٹ بھیڑ بکری گائے ہوتی ہیں) خاک میں دفن کر دیئے جائیں۔ غور کرنیکی بات ہے لاکھوں کی تعداد میں قربانیاں کیجاتی ہیں جنکے پوست و گوشت و استخواں کی قیمت ایک کافی دولت کہی جا سکتی ہے۔ وہ اس طرح مٹی میں ڈال کر خاک میں ملا دیجاتی ہے کاش مسلمانوں کی ایک جماعت سلطان سے اجازت طلب کرکے وہاں کسی مناسب مقام پر ایک کارخانہ جاری کرے جسمیں یہ تمام مذبوح جانور پہنچ جائیں۔ اور اُن کے گوشت کو خشک کر کے ڈبوں میں بند کیا جائے۔ اور چمڑے کی دباغت کرکے چرمی اشیاء تیار کیجائیں یہ خشک گوشت اور وہاں کی چرمی چیزیں جس جگہ مسلمانوں کو ملینگی وہ بطور تبرک کے خریدینگے اسطرح کروڑوں روپے کی آمدنی ہوئی جاتی ہے اگر دوسرے ملک کا باشندہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ یا از روئے شریعت اس سے نفع نہیں اُٹھا سکتا۔ تو خود سلطان کو اس کی طرف توجہ دلائی جائے۔ تاکہ وہ ایسا انتظام کر کے اس کی آمدنی سے مدارس دینی اپنے تمام حدود سلطنت میں قایم کریں۔

ثالثاً یہ التماس ہے کہ ایام حج جسمیں تقریباً ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اُن ایام متبرکہ میں اُس پاک سرزمین پر پہونچ کر ایک سچا اخلاص و محبت الٰہی کا جوش تمام حجاج کے دلوں میں ہوتا ہے۔ ہم اُس جمعیت و جذبات الٰہیہ سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ نہ ایک ملک کا باشندہ

دوسرے ملک کے باشندے سے ملکر اُس کے احوال وخیالات سے آگاہ ہوتا ہی نہ علما باہم ملکر اصلاح اُمت کی کوئی تدبیر قرار دیتے ہیں کسیطرح کی کوئی عام تحریک وہاں ایسی نہیں کیجاتی جس سے مسلمانوں کو دین کے ساتھ شغف پیدا ہو۔ اور اُن کے ایمانی جذبات کو حرکت ہو۔ یہ عظیم الشان مجمع وہاں سے کھجوریں و تسبیح و مسواک لیکر واپس آتا ہی اور اسیکو غایت اس مقدس سفر کی سمجھتا ہے حالانکہ اس جمعیت میں جو نکتۂ سیاسی مضمر ہی اُسے ارباب فہم وذکا خوب سمجھتے ہیں لہذا علما ومشایخ کا یہ فرض ہی کہ اُس جگہ جو کہ مرکز اسلام ہی اور جہاں سے اسلام کا دریا رواں ہوا۔ ایام حج میں حمیت اسلامی کا ایسا جوش وہاں پر پھیلائیں۔ کہ غفلت و ہوا و ہوس کے وسوسے بجھ کر خاک ہو جائیں اور حجاج کا ظاہر و باطن للّٰہیت و اتباع سنت سے ایسا آراستہ ہو جائے کہ وطن پہنچکر اُنکی صوری و معنوی یکرنگی دیگر ابنائے وطن کو بھی اُسی توحید کے رنگ میں رنگ ڈالے ؎

بیروں و درونِ من خود صورتِ او پیدا
درحضرتِ کفرستان بتخانہ چنیں باید

رابعاً یہ عرض ہی کہ ہر مسلمان اپنی آمدنی کا ایک سہل حصہ سالانہ خدمات اسلامی کیلیے نکالا کرے اور ایک جگہ تجویز کرلیجائے جہاں سب کے مرسلہ روپیے جمع ہوا کریں۔ پھر ایک جماعت ذمہ دار اُمنا کی مقرر کیجائے۔ اور اُس روپیے میں سے ایک معینہ رقم سالانہ سلطان کیخدمت میں مصارفِ حرمین کے لیے بھیجی جائے۔ تاکہ سلطان کو کسیقدر مصارف حرمین سے فراغ ہو۔ اور وہ اپنے محاصل کو اپنے سیاسی وملکی ضرورتوں میں صرف کرسکیں نیز اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ ہر چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کے وقت جو مسلمانوں کو ملک کے سامنے ہاتھ پھیلانیکی حاجت ہوتی ہی اس میں بہت کچھ کمی ہو جائیگی۔

یہ روپیہ کس جگہ جمع ہوں اور اُس کے امین کن اوصاف کے ہوں خرچ کے کیا قواعد وضوابط قرار دیئے جائیں اسے ارباب حل وعقد خود فیصلہ کرلیں چاہے ہر شہر میں الگ الگ قایم کریں چاہے باعتبار ضلع وصوبہ اس کا قیام تجویز فرمائیں۔ مگر یہ سلسلہ شروع کردیں

اور جلد سے جلد اس کے لیے مستعد ہو جائیں ؏

اے زفرصت بیخبر در ہرچہ باشی زود باش

پانچویں بات سب سے زائد قابل لحاظ ہے۔ وہ ہر بلاد کے مسلمانوں کی بیدارانہ زندگی ہے۔ اس کے لیے علما کا باہم ایک تعلق قایم ہونا چاہیے جس طرح سلاطین کے سفرا ایک دوسرے کی سلطنتوں میں مقیم رہا کرتے ہیں اسیطرح چند علما جو شیخ الاسلام کے نائب ہوں ہندو افغانستان وغیرہ میں اقامت اختیار کرلیں تاکہ باہمی جمعیت و مشورہ سے دینداری کا اثر مسلمانوں میں پیدا کرلیں۔ نیز اس امر کی طرف سلطان کی توجہ بھی اُسوقت ان شاء اللہ ہوگی جبکہ ہر بلاد و امصار کے علما متفقہ قوت سے کسی امر شرعی کی ترجیح پر زور دینگے۔ اس لیے کہ دین ہی وہ خصوصیت ہے جو مسلمانوں کو تمام اقوام دنیا سے ہر حال میں ممتاز و برگزیدہ خالق رکھتی ہے۔ اقبال و جاہ میں شکر کا جامہ ان پر ہوتا ہے اور فقر و فاقہ میں صبر و رضا کا خلعت۔ چند روزہ زندگی چاہے فانی لذات و مٹنے والے تعیش سے آشنا ہو یا نہو لیکن ذکر الٰہی کی لذت سے روح دائمی سرور ضرور حاصل کرے گی ؎

اے ذکر ترا ہر دم در دل اثر دیگر

دے از تو بملک جاں ہر دم خبر دیگر

ہماری مذہبی حالت اس طرح تباہ و برباد ہوگئی ہے کہ اگر ہمارے اسلاف اپنے قبروں سے نکلکر ہماری کیفیتوں کا نظارہ کریں تو واللہ انہیں کسیطرح ہمارے اسلام کا وہم بھی نہو۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں کا نصب العین دین و ایمان تھا اور کامرانی دنیا ایک طفیلی شے۔ اب دنیا اصل مطلوب اور دین ایک امر فضولی کسیوقت دولتمندی کا شمار اعمال حسنہ و اخلاق سنیہ پر تھا اب درہم و دینار کی تھیلیوں پر۔

افسوس اسلام کیا تھا اور ہم نے آج کیا بنا رکھا ہے۔ نہیں معلوم کل مرنے کے بعد جب حضوری اُس جلیل و جبار کی ہوگی تو کیا منہ لیکر ہم جائینگے معاصی کی سیاہی چہروں پر چڑھی ہوگی

اور نافرمانی کا ذلیل طوق گلے میں ہوگا ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب اُس رحمٰن و رحیم نے اپنے کمال فضل و رافت سے ہمیں بتاکید سمجھا دیا تھا و لا تموتن الا و انتم مسلمون ۝ کہ دیکھو ہوشیار خبردار میری اطاعت کی رسی گلے سے نکلنے نہ پائے میرے سرکار میں جو آنا تو مسلمان آنا مگر ہم اپنے تخیلات فاسدہ میں ایسے مبتلا ہوئے کہ یہ تمام باتیں ہمیں فسانہ معلوم ہونے لگیں اور شیطان نے یہ افسوں کان میں پھونکدیا کہ ؎

واعظ نادان کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میر
آؤ میخانہ چلیں تم کس کی باتوں پر گئے

بھلا دیندار رہکر کوئی ایک سانس بھی زندگی کی لے سکتا ہے یہ سب ڈھکوسلے ہیں صرف نکاح و خطبہ اور ایسی ایسی باتیں مذہب بتلاتا ہے اور اسمیں دھرا کیا ہے۔ اس ترقی کے دور میں جبتک مذہب کے دام سے نہ نکلو گے آزادانہ حیات کے لطف نہ پاؤ گے نہ تمدن تمہیں آئیگا نہ پولٹکس سے کوئی حصہ ملیگا ایک مفید و نامہذب زندگی ہوگی جسمیں سراسر تقید و وحشت کے بند ہونگے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم حالانکہ اگر حقیقت بین نگاہوں سے دیکھا جائے نفس الامر میں مہذب و آزاد زندگی انہیں کی ہوسکتی ہے جنھوں نے نہایت سچائی سے اللہ و رسول کی اطاعت کی زنجیر نفس امارہ کے قدموں میں ڈالی ہو ؎

خلاص حافظ ازان زلف تابدار مباد
کہ بستگان کمند تو رستگار انند

پس اسوقت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے نفس کا آپ محاسب ہوجائے اور ترک معاصی پر شدت سے مستعد ہو علما اپنی پند و نصایح سے مسلمانوں کو گرماتے رہیں اور اپنی باصفا زندگی کو ایک سچا اور باثر واعظ بنائیں اسطرح اگر دینداری کی طرف کچھ عوام بڑھے اور علمانے اپنی مخلصانہ تحریر و تقریر اور سب سے زیادہ اپنی عملی زندگی کے نمونے سے مسلمانوں کو بڑھانے کی کوشش کی تو انشاء اللہ العزیز بہت جلد خدا کی رحمت انہیں میدان سبقت میں اپنے فضل سے کامیاب

بنادیگی۔

عزیزو ہوشیار ہوشیار۔ دین کی دولت ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ اُس شاہانہ زندگی سے جو کفر کیساتھ میسر آتی ہو ہزار درجہ وہ عسرت کی زندگی محبوب ہے جسمیں چاشنی ایمان کی اور سوزش عشق الٰہی کی ہو ؎

دود داغ سینہ سوزان من

سوخت این افسردگان خام را

اسوقت ترکی کے چندہ کی جو رفتار کہ دھیمی رہی اور اس مصیبت کا ایسا احساس نہوا جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا یا چندے وصول شدہ بے کم وکاست نہ پہونچے یہ سب نتیجہ ہماری دینی غفلت کا ہی۔ اگر ہمیں دین کی محبت ہوتی تو فوراً معتمد دیانتدار اہل دل واہل الرائے ایک صدر کمیٹی مقرر کرتے اور اس کے شعبے جابجا ہندوستان میں پھیل جاتے۔ تمام رقمیں صدر دفتر میں جمع ہوتیں اور وہاں سے بہت ہی احوط ذرایع سے روپیہ ترکی کو بھیجا جاتا۔ اسطرح روپیہ بھی ایک کافی مقدار میں جمع ہوجاتا اور بے حیاؤں کی خورد وبرد سے رقم بھی محفوظ رہتی۔

خیر ہنوز دروازہ توبہ کا کشادہ ہی اور خدا کی رحمت اب بھی لبیک کہنے کو موجود ہی۔ ؎

باز آباز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ∴ گر کافر وگبر وبت پرستی باز آ

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ∴ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم وعلیٰ الہ وصحبہ واولیاء امتہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین ۝

حررہ بقلمہ

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

البہاری المیردادی